ہفت روزہ

ندائے خلافت

۲۷ ستمبر ۱۹۹۳ء

☆ الیکشن ۹۳ء بھی حسب سابق ایک سازش ہیں!

☆ انتخابات میں مذہبی جماعتوں کا کردار

☆ "حبل اللہ" اور "حبل من الناس" کی بحث

حدیث امروز

کیا اسلام کو معاف نہیں کیا جا سکتا

محسن انسانیت رسول اکرم ﷺ کے ایک حکیمانہ قول کے مطابق اسلام کا آغاز عالم غربت (بے وطنی) میں ہوا تھا اور عنقریب وہ پھر سے غریب ہو جائے گا' اس کا کوئی دیس نہ رہے گا۔ آپ نے یہ خبر دینے کے ساتھ اگرچہ ان "غرباء" کو تہنیت اور خوشخبری سے نوازا تھا جو اس حال میں بھی غریب الدیار اسلام کا ساتھ دیں گے لیکن اس خوشخبری کا مصداق بننا کچھ آسان نہیں' اس میں محنت بہت زیادہ پڑتی ہے۔ اے اللہ ہمیں اس کی توفیق اور ہمت دے۔ اس وقت فکر یہ دامن گیر ہے کہ بے کس اسلام پر اپنے اور پرائے اس انداز کی جو شفقت فرما رہے ہیں جس کے نتیجے میں غریب کی جورو سب کی بھابھی ہو گئی ہے' اس سے کیا اسلام کی معافی نہیں ہو سکتی..!

اگلے روز امریکی صدر بل کلنٹن صاحب نے اپنی موجودگی سے اس تقریب کو مشرف فرمایا جس میں ہمارے فلسطینی ہیرو' پی ایل او کے چیئرمین جناب یاسر عرفات نے اسرائیلی وزیر اعظم اسحاق رابن کے ساتھ مسکراہٹوں کا تبادلہ کیا' صیہونی ریاست کو تسلیم کر لیا اور اپنی تلوار کو نیام میں ڈالا تو اس تاریخی موقع پر جسے کچھ لوگ فلسطینی رہنما کے لئے کلنک کا ٹیکہ قرار دیتے ہیں اور کچھ کے نزدیک حقیقت پسندی کا جرات مندانہ اظہار' جہاں اسحاق رابن نے خود ہمیں اپنی تاریخ کی کچھ جھلکیاں دکھا کر بنو اسماعیل اور بنو اسحاق کے شیر و شکر ہو کر رہنے کی ضرورت پر زور دیا وہیں بل کلنٹن صاحب کے "درس قرآن" کا بھی بہت شہرہ ہوا۔

ہمارے سابق وزیر اعظم اور موجودہ صدر مسلم لیگ' جناب نواز شریف نے بیت المال کو حلوائی کی دکان سمجھ کر نانا جی کی فاتحہ پر یوں لٹایا کہ حاتم طائی کی روح بھی اپنی قبر پر اتنی زوردار لاتیں پڑتے دیکھ کر بے چین ہو گئی ہو گی۔ انہوں نے بیس (۲۰) کروڑ روپے "مستحقین" میں تقسیم فرمائے لیکن اس انداز خسروانہ سے کہ قواعد و ضوابط اور حساب کتاب کے اصول منہ دیکھتے رہ گئے۔ پنجاب کی عدالت عالیہ کے ایک فاضل جج جناب عبدالمجید ٹوانہ نے اس پر اپنے طور پر کاروائی کا آغاز کر کے گرفت کی تو نواز شریف صاحب نے ڈنکے کی چوٹ اعلان فرمایا کہ بیس کروڑ "غریبوں" میں تقسیم کرنے پر اعتراض کرنے والے سن لیں کہ مجھے تو افسوس اس بات کا ہے کہ باقی اسی (۸۰) کروڑ میری اس "دستبرد" سے کیوں بچ گئے! گویا۔

ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد　　یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

یہ معاملہ اب عدالت میں زیر سماعت ہے لہٰذا ہم اس سے زیادہ کچھ نہیں کہیں گے البتہ اگلے روز نواز شریف صاحب کی طرف سے جو ایک نمایاں اشتہار ملک بھر کے اخبارات میں شائع کرایا گیا' اس کا مضمون موضوع زیر بحث سے براہ راست متعلق ہے اور نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ بیت المال کے اموال مسجد ہی میں تشریف رکھتے ہوئے تقسیم کر کے اٹھا کرتے تھے اور مجھے بھی اسی سنت شریفہ کی پیروی کا اعزاز حاصل ہوا ہے۔ ان سے اس "پیروی" کے حوالے سے بہت سے سوالات کئے جا سکتے ہیں لیکن اسلام میں اتباع سنت کی جو حیثیت ہے اس میں کسی بھی طور کلام نہیں' دیکھنے کی بات یہ ہے کہ نواز شریف صاحب کو ابلاغ عامہ کے ان کے مشیروں میں سے کسی نے پٹی کیا خوب پڑھائی ہے۔ اندھے کو اندھیرے میں بڑی دور کی سوجھی۔

تازہ گل یہ کھلا ہے کہ ہمارے ولائتی نگران وزیر اعظم جناب معین قریشی نے دفاع کے اعلیٰ ترین تربیتی ادارے میں ہماری فوج کی قیادت کو اپنے تصور پاکستان کی جھلکیاں دکھاتے ہوئے خیر القرون کی تاریخ میں سے "میثاق مدینہ" کا حوالہ دیا اور کہا کہ درپیش نازک

(باقی صفحہ ۳ پر)

قیمت ۵ روپے

رابطہ عوام کی مہم منصوبے کے مطابق جاری ہے

چند مقامات کے جلسوں کی مختصر رپورٹیں

ڈسکہ شہر

"من انصاری الی اللہ" اسی نعرہ مستانہ کا غلغلہ بلند کیا اس ملک پاکستان میں داعی تحریک خلافت پاکستان جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اور اسی نعرہ پر لبیک کہتے ہوئے جناب جنرل (ریٹائرڈ) ایم ایچ انصاری صاحب نے اپنی تمام تر توانائیاں اور قوتیں نظام خلافت کے قیام کے لئے داعی تحریک کو پیش کر دیں۔ نظام خلافت کی اس ندا کو انصاری صاحب اس انتخابی موسم میں لبیک ۳ ستمبر کو ڈسکہ شہر پہنچے۔

جلسہ کا انتظام ڈسکہ شہر کے وسط میں واقع ویگن سٹینڈ پر کیا گیا جلسہ کا آغاز قرآن پاک کی تلاوت سے ہوا۔ تلاوت حافظ عبدالرحمٰن صاحب نے کی۔ رسالت مآب ﷺ کے حضور ھدیہ نعت قاری مطیع الرحمٰن صاحب نے پیش کیا۔ اس کے بعد خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کی سیرت سے متعلق نظم شاہد اقبال ڈسکوی نے پیش کی۔

اس کے بعد سٹیج سیکرٹری شیخ عبدالحکیم صاحب نے دعوت خطاب نائب ناظم تنظیم اسلامی و سیکرٹری تحریک خلافت حلقہ گوجرانوالہ ڈویژن مرزا ندیم بیگ صاحب کو دی۔ انہوں نے کہا' نظام جمہوریت میں دھوکہ' جھوٹ اور فریب کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اس نظام نے شخصی آمریت کو ختم کر کے جاگیردار' وڈیرے اور سرمایہ داروں کے گروہ کو عوام پر مسلط کر دیا اور یہ نظام عوامی حاکمیت کے مشرکانہ افکار پر مبنی ہے۔ انہوں نے انتہائی پر جوش انداز میں کہا کہ جس ملک میں غریب ایک وقت کی روٹی کو ترسے' جس میں غریب کی عزت محفوظ نہ ہو' جس میں عورتوں کی عزتیں پامال ہوں' جس میں انسان مکھی و مچھر کی طرح مسل دیا جائے' جس میں دین کا استھزاء و تمسخر اڑایا جائے اس ملک کو اسلامی ملک نہیں کہا جاسکتا۔ انہوں نے کہا کہ ہماری حقیقی فلاح صرف اور صرف نظام خلافت کے نفاذ و قیام میں ہے۔ اگر ہم یہ نظام قائم نہ کر سکے تو یہ بڑے اور رسہ گیر قوم اور ملک کو دیمک کی طرح چاٹتے رہیں گے۔

اس کے بعد مہمان خصوصی ناظم اعلیٰ تحریک خلافت پاکستان جناب جنرل (ریٹائرڈ) ایم ایچ انصاری صاحب نے اپنے انتہائی موثر خطاب میں کہا کہ موجودہ انتخابی سیاست نے ہمیں کچھ نہیں دیا۔ میں نے اپنی قوم کے چہرے پر نہ کبھی خوشی دیکھی نہ کبھی خوشحالی نہ کبھی سکون نہ اطمینان۔ اس موجودہ نظام میں ہم نے عوام کو روتے اور بھیک مانگتے ہی دیکھا ہے۔ لہٰذا یہ صورتحال ہمیں غور و فکر کی دعوت دیتی ہے۔ جنرل صاحب نے کہا موجودہ نظام صرف چند خاندانوں کے درمیان ہی گھومتا ہے اور انہیں لوگوں نے ملکی وسائل کو جس بے دریغ طریقہ سے لوٹا ہے اس پر پوری قوم کے سر شرم سے جھک گئے ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ موجودہ نظام میں نیک نامی اور قابلیت کی کوئی وقعت اور اہمیت نہیں بلکہ اصل قوت پیسہ ہے۔ انہوں نے کہا اس نظام کو ختم کئے بغیر مسائل حل نہیں ہوں گے۔ پر فریب نعرے دینے والا نظام کبھی بھی بنیادی ضرورتوں کو پورا نہیں کر سکتا بلکہ ہم اس نظام کے داعی ہیں جو اصلاً خالق کائنات کا عطا کردہ اور رسول پاک ﷺ کا غالب کردہ نظام ہے۔ اس نظام میں عوام کی بنیادی ضروریات بن مانگے پوری کی جائیں گی۔ انہوں نے حاضرین سے پر خلوص اپیل کی کہ اس نظام عدل و قسط کے قیام میں ہمارے دست و بازو بنیں۔ انہوں نے کہا کہ آئیے خود بھی اور دوسرے احباب کو بھی اس تعاون کے لئے تیار کریں۔ انصاری صاحب کے خطاب کے بعد آخر میں ناظم اعلیٰ تنظیم اسلامی پاکستان جناب ڈاکٹر عبدالخالق صاحب نے اجتماعی دعا کروائی۔

مرتب: سلیمان نذیر انصاری

فیروزوالا ضلع شیخوپورہ

تحریک خلافت حلقہ گوجرانوالہ ڈویژن کے تحت رابطہ عوام کے سلسلے میں پہلا جلسہ ۱۹/ اگست کو فیروزوالہ ضلع شیخوپورہ میں منعقد ہوا۔ جلسہ کی تشہیر بذریعہ اشتہارات' بینرز اور گاڑی پر لاؤڈ سپیکر نصب کر کے اناؤنسمنٹ کے ذریعے پیپلز کالونی' رچنا ٹاؤن' امامیہ کالونی اور شاہدرہ شہر میں کی گئی۔ مزید نصرت کے لئے لاہور تنظیم کی ایک دو روزہ جماعت ناظم لاہور شہر غازی وقاص صاحب کی قیادت میں فیروزوالہ پہنچ گئی۔

جلسہ کا آغاز بعد نماز عشاء فیروزوالہ بازار کے چوک میں ہوا۔ تلاوت کلام پاک اور نعت کے بعد ایک ننھے سے بچے نے نہایت ولولہ انگیز نظم کشمیر کے متعلق سنائی۔ اس کے بعد سٹیج سیکرٹری جناب نعیم اختر عدنان نے مرزا ندیم بیگ صاحب سیکرٹری تحریک خلافت حلقہ گوجرانوالہ ڈویژن کو خطاب کی دعوت دی جنہوں نے ولولہ انگیز انداز میں اس نظام کہنہ کے پاسبانوں کے پجھن لوگوں کے سامنے رکھتے ہوئے کہا کہ جو لوگ ہمارے ملک میں اقتدار پر قابض ہیں' وہ حقیقت میں لٹیرے' رسہ گیر اور قاتل ہیں جو اپنے اقتدار کی خاطر ملکی وسائل کو اپنے حواریوں میں لٹاتے ہیں اور اسی کے استحکام کی غرض سے ملکی وسائل اور سرکاری زمینوں کو بے دریغ لوٹتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ دنیا اور آخرت میں ہماری کامیابی صرف اور صرف غلبہ دین میں ہے۔

ان کے بعد مہمان خصوصی جنرل ریٹائرڈ ایم ایچ انصاری صاحب کو خطاب کی دعوت دی گئی جنہوں نے

(باقی اندرونی سرورق کے دوسری جانب)

جلسہ خلافت رحیم یار خان

۲۷ ستمبر ۹۳ء بروز پیر بعد نماز عشاء

خصوصی خطاب: جنرل ایم ایچ انصاری

ناظم اعلیٰ تحریک خلافت پاکستان

دیگر مقررین: مولانا مقصود احمد' انجینئر مختار حسین فاروقی' جناب عبدالرزاق

زیر اہتمام: تحریک خلافت پاکستان حلقہ بہاولپور ڈویژن

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ ندائے خلافت لاہور

جلد ۲ شمارہ ۳۸

۲۷/ ستمبر ۱۹۹۳ء

17

مدیر
اقتدار احمد

معاون مدیر
حافظ عاکف سعید

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی
مرکزی دفتر: ۶۷-اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور

مقامِ اشاعت
۳۶- کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون: ۸۵۶۰۰۳

پبلشر: اقتدار احمد، طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس ریلوے روڈ، لاہور

قیمت فی پرچہ -/۳ روپے

سالانہ زر تعاون (اندرونِ پاکستان) -/۱۲۰ روپے

زرِ تعاون برائے بیرونِ پاکستان

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت	۱۶/ امریکی ڈالر
مسقط، عمان، بنگلہ دیش	۱۲/ 〃 〃
افریقہ، ایشیا، یورپ	۱۷/ 〃 〃
شمالی امریکہ، آسٹریلیا	۲۰/ 〃 〃

آپس کی باتیں

ایڈیٹر کے ڈیسک سے

خواہش کے باوجود ہم انتخابات کے موضوع سے دامن چھڑا نہ سکے۔ زیر نظر شمارے میں مواد کا بیشتر حصہ بلاواسطہ یا بالواسطہ الیکشن ۹۳ء سے ہی متعلق ہے۔ ہمارا ذاتی یا گروہی مفاد کسی بھی طور مروجہ جمہوریت کی اس مشق سے وابستہ نہیں جس نے پورے ملک کی فضا میں فکر و عمل کی برقی رو دوڑا دی ہے۔ لیکن وطن عزیز کے مستقبل پر اس کے جو اثرات مرتب ہونے والے ہیں' ان سے بے اعتنائی کیسے برتیں!۔ مزید براں مذہبی سیاسی جماعتوں اور بالخصوص اس تحریک کے بارے میں ہماری پریشانی کے عکس سے "ندائے خلافت" کے صفحات کیسے محفوظ رکھے جا سکتے ہیں جس نے رہی سہی امیدوں پر بھی پانی پھیر دیا۔ وہ تحریک اب اس منطقی انجام کو شاید پہنچ ہی گئی ہے جسے اس نے اپنا مقدر بنا لیا تھا۔ کل بنی آدم خطائون و خیر الخطائین توابون۔ ہماری اور ہمارے ان دینی بھائیوں کی طرح آدم کے سب بیٹوں سے خطاؤں کا صدور ہوتا ہی رہتا ہے لیکن خطاکاروں میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو غلط راستوں سے جلد پلٹ آتے ہیں اور اللہ کی ہدایت کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اللھم ربنا اجعلنا منہم' آمین۔

تحریک خلافت پاکستان کے معاونین اور بالخصوص علاقائی خلافت کمیٹیوں کے ذمہ داران ہمیں اپنی سرگرمیوں سے آگاہ رکھنے میں کوتاہی کا ارتکاب کر رہے ہیں جس کے باعث ہم تحریک کی نقابت کا حق ادا نہیں کر پا رہے۔ ان میں سے جو احباب کسل مندی کا شکار ہیں' وہ ازراہ کرم ذرا کمر کس لیں اور جنہیں خودنمائی یا نیک کام کی تشہیر سے اجتناب ہے انہیں سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے اجر تو انہیں اپنی نیت کے مطابق ہی ملے گا جو اگر دنیا دکھاوا نہیں تو انہیں کوئی تردد نہیں ہونا چاہئے۔ البتہ ان کے تجربات سے دوسرے جو استفادہ کر سکتے ہیں' اسے نظرانداز نہیں کیا جانا چاہئے۔..○○

بقیہ حدیث امروز

ترین قومی و بین الاقوامی امور کے بارے میں اپنی حکمت عملی طے کرتے ہوئے ہمیں ان اصولوں سے رہنمائی حاصل کرنی چاہئے جو "میثاق مدینہ" میں شرح و بسط سے مذکور ہیں۔ یہود کے بڑھتے ہوئے عالمی اثرات' بھارت کے عزائم اور اسرائیل سے اس کے تعلقات کی تازہ ترین کیفیت' اسحاق رابن کی مسلمانوں کو نصیحت و خواہش اور دشمنوں سے سلوک کے باب میں جناب بل کلنٹن کے "درس قرآن" کے تناظر میں دیکھا جائے تو خاص اسی موقع پر جناب معین قریشی صاحب کی زبان سے "میثاق مدینہ" کا ذکر بہت معنی خیز ہو جاتا ہے۔ ان کا "اجتہاد" جہاں جہاں پہنچا وہاں ہماری وضاحت ہرگز نہ پہنچ پائے گی کہ یہ معاہدہ حضور اکرم ﷺ نے ایک اسلامی ریاست کے قیام کی جدوجہد کے آخری مرحلے میں کیا تھا' اپنی حکومت کے قیام کے بعد نہیں۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ اسی دوران میں آپ نے آس پاس پھیلے ہوئے کفار و مشرکین کے قبائل سے بھی قول و قرار کئے تھے لیکن مدینہ کی اسلامی ریاست کے استحکام اور جزیرہ نمائے عرب پر اسلام کے سورج کے پوری طرح طلوع ہو جانے سے پہلے ہی ایسے تمام معاہدات کی مدت میں توسیع سے ہاتھ کھینچ لیا تھا اور آخر کار وہ آخری آسمانی ہدایت بھی آ گئی جس میں اعلان کر دیا گیا تھا کہ اب جزیرہ نما کو کفار و مشرکین سے بالکل پاک رکھا جائے گا۔۔۔۔ خود ان یہودی قبائل کو کس انجام سے دوچار ہونا پڑا جن کا میثاق مدینہ میں ذکر ہے؟

گزارش یہ ہے کہ ہمارے مہربان نطق و لغت کے قارون ہیں' اپنے فلسفے کی تائید اور اپنے منصوبوں' اپنے عزائم اور اپنی کارگزاری کے جواز میں دلیلوں کے انبار لگا سکتے ہیں' وہ مشق ناز کریں اور خون دو عالم کی فکر میں دبلے نہ ہوں لیکن اس سلسلے میں اسلام سے مدد حاصل کرنا ضروری کیوں سمجھ لیا گیا ہے..؟ وہ اسلام کو اس کے حال پر کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟۔○○

الہدیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس وقت کا خیال کرو جب اظہار براءت کریں گے وہ لوگ کہ جن کی پیروی کی گئی تھی ان سے کہ جو ان کے پیروکار تھے اور وہ دیکھیں گے عذاب' اور منقطع ہو جائیں گے ان کے سب تعلقات O

(کہ آج یہ مشرکین جن ہستیوں کو اللہ کا شریک و ہمسر ٹھہراتے اور جن سے اس طرح محبت کرتے ہیں جس طرح اللہ سے کرنی چاہئے' یوم حشر جب یہ عذاب جہنم کو بچشم سر دیکھیں گے تو اس دن ان کے یہ مقتدا اور متبوع ان جان نثاروں اور پیروؤں سے صاف صاف براءت کا اظہار کر دیں گے اور اس نار جہنم سے بچانے میں ان کے کچھ کام نہ آ سکیں گے جس کے شعلے انہیں نگلنے کے لئے بے تاب ہونگے۔ گویا ع "جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے"۔ اس دن متبوع اور تابعین' اور مقتدا اور ان کے پیروؤں کے باہمی تعلقات کے تمام تار و پود بکھر جائیں گے' وہ ایک دوسرے سے اظہار بیزاری ہی نہیں کریں گے' اعلانیہ ایک دوسرے پر لعنت بھی بھیج رہے ہونگے!)

اور کہیں گے ان کے پیرو کہ اے کاش ہمیں دنیا میں ایک بار اور جانا نصیب ہوتا کہ ہم بھی ان سے اسی طرح اظہار براءت کر سکتے جس طرح انہوں نے ہم سے اظہار براءت کیا ہے O

ترجمانی: حافظ عاکف سعید

کہ جب وہ پیرو اور تابعین یہ دیکھیں گے کہ جن کو انہوں نے دنیا میں خدائی کا درجہ دیا تھا اور اپنی تمام تر محبت اور عقیدت کا مرکز بنایا تھا' وہ اس کٹھن ترین گھڑی میں ان سے اس طرح بے مروتی برت رہے ہیں اور ان سے صاف صاف بیزاری کا اظہار کر رہے ہیں تو وہ بھی نہایت حسرت آمیز انداز میں یہ آرزو کریں گے کہ کاش ہمیں ایک بار پھر دنیا میں جانا نصیب ہو کہ پھر ہم بھی ان سے اسی طرح اظہار بیزاری اور اعلان براءت کر سکیں جس طرح کہ انہوں نے آج ہم سے کیا ہے۔)

اسی طرح اللہ ان کو دکھائے گا ان کے اعمال سرمایہ حسرت بنا کر اور وہ ہرگز آگ سے نکلنے والے نہ بن سکیں گے O

ان کے اعمال اس روز ان کے لئے سرمایہ حسرت بن جائیں گے' ان کا دفتر عمل جب ان کے سامنے رکھا جائے گا تو ان کی حسرت اور جھنجلاہٹ میں مزید اضافہ ہو گا اور اپنے معبودان باطل کے خلاف ان کا غم و غصہ بڑھتا چلا جائے گا۔ لیکن ان کی یہ حسرت' حسرت ہی رہے گی' جہنم سے نکلنا انہیں نصیب نہیں ہو گا!)

الیکشن ۹۳ء بھی حسب سابق ایک سازش ہیں!

منتخب حکومت ایک کٹھ پتلی ہوگی

سری نگر کی آزاد حکومت کا منصوبہ "ملاء اعلیٰ" میں تیار ہو چکا ہے

عبدالکریم عابد

پاکستان میں ملک اور عوام کے خلاف دو طرح کی سازشیں ہوتی رہی ہیں' ایک سازش جمہوریت کے معروف اور مسلمہ اصولوں کے مطابق الیکشن سے صاف انکار کی اور دوسری سازش خود جمہوری طرز کے انتخابات کی۔ ان دونوں سازشوں نے پاکستان کی تاریخ رقم کی ہے۔ ان کے پس پشت امریکہ اور فوجی جنرلوں کی ملی بھگت تھی اور آج ملک کا جو سیاسی منظر ہے' وہ اس ملی بھگت کا مزید ثبوت ہے۔

پہلی سازش کی نوعیت یہ تھی کہ امریکہ پاکستان میں دفاعی معاہدوں اور سرد جنگ کے پیش نظر اپنی پسندیدہ فوجی آمریت کو ضروری خیال کرتا تھا۔ اسے یہ گوارا نہیں تھا کہ پاکستان کی سیاسی جماعتوں کو انتقال اقتدار ہو' اس لئے اس نے سول اور فوجی بیوروکریسی کو تھپکی دی' غلام محمد اور سکندر مرزا کو طاقت بنایا اور آخر میں ایوبی مارشل لاء عین اس وقت نافذ کر دیا گیا جب ۵۶ء کے دستور کے تحت الیکشن ہونے والے تھے۔ ایوب خان نے بالغ حق رائے دہی اور پارلیمانی جمہوریت کے مقابلہ میں بنیادی جمہوریتوں کا نظریہ اور نظام نافذ کیا۔ ایوبی دور میں غیر ملکی قرضوں کی بنیاد پر اقتصادی ترقی بھی ہوئی۔ ایوب خان جب آئے تو انہوں نے امریکی ہدایات کے مطابق بھارت سے نہری پانی کا معاہدہ کیا' بھارت کو شمال کے خطرہ کے خلاف مشترکہ دفاع کے معاہدہ کی پیش کش کی اور بھٹو سورن سنگھ مذاکرات میں وہ ستمبر میں پاکستان کشمیر کی تقسیم پر بھی رضامند ہو گیا تھا لیکن بھارت پاکستان سے کوئی مصالحت یا مفاہمت نہیں چاہتا تھا اور بھارت کو روس بھی پاکستان کے ساتھ کشیدگی قائم رکھنے پر اکسائے رکھتا تھا۔ اس زمانے میں بھارت ذرا بھی وسعت ظرف کا مظاہرہ کرتا تو ایوب خان کے دور میں ہی پاکستان اور بھارت باہم قریب ہو سکتے تھے

ایوب خان کے دور میں کچھ اقتصادی ترقی ہوئی لیکن سیاسی بے چینی نے بھی جنم لیا مشرقی پاکستان میں یہ بے چینی خاصی زیادہ تھی اور اسے امریکہ ہوا بھی دے رہا تھا۔ امریکہ کا مقصد مشرقی پاکستان کو پاکستان سے الگ کرنا تھا اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے الیکشن ضروری ہو گئے تھے۔ اگرچہ ایوب خان الیکشن کرانے اور آئندہ صدر نہ بننے پر بھی رضامند ہو گئے تھے لیکن ایوب خان کے تحت الیکشن میں مطلوبہ نتیجہ نہیں نکل سکتا تھا کیونکہ منعم خان' صبور خان' فضل القادر چودھری' مولوی فرید احمد اور کئی دوسرے لوگ طاقت رکھتے تھے اور فوری الیکشن میں علیحدگی کی صورت پیدا نہیں ہو سکتی تھی اس لئے "الیکشن ۷۰ء سازش" کے تحت پہلے ایوب خان کو رخصت کیا گیا اور پھر یحییٰ کو لایا گیا جس نے انتخابی مہم کے لئے ایک طویل میعاد دی۔ اس میعاد میں چھ نکات کے تحت ہر طرح کے پروپیگنڈہ کی اجازت تھی اور مغربی پاکستان مشرقی پاکستان انتخابی نتیجہ کے سامنے آنے پر دو علیحدہ علیحدہ ٹکڑے ہو گئے تھے۔ فوجی جنرلوں نے سیاسی تصفیہ کی راہ مسدود کر دی اور طاقت کے اندھے استعمال کے ذریعے حالات میں ہر ممکن بگاڑ پیدا کیا گیا۔ یہ سب کچھ امریکی منصوبہ کے مطابق تھا اور

اب ایک نئی تگڈم پاکستان پر مسلط ہوگی' اس میں امریکہ ہوگا' کچھ فوجی جنرل ہوں گے اور وہ منتخب حکومت ہوگی جو کٹھ پتلی کا کردار ادا کرنے کے لئے تیار ہوگی۔ یہی الیکشن ۹۳ء کا ماحصل ہے اور اسی کے لئے اس الیکشن کی سازش کی گئی ہے۔

مغربی پاکستان میں جوش اور اشتعال پیدا کرنے کے لئے بھٹو اور مذہبی جماعتوں سے کام لیا گیا۔

اب یہ راز طشت از بام ہو گیا ہے کہ اس دور میں "کرش انڈیا" کے اسٹکر امریکی سفارت خانے کے تیار کردہ اور تقسیم کردہ تھے۔ غرض یہ کہ چونکہ الیکشن کے پیچھے ایک سازش تھی اس لئے یہ الیکشن ملک کو دو لخت کرنے اور پاکستان کی پیشانی پر شکست اور ذلت کا داغ لگانے کا سبب بنے۔ اس شکست اور ذلت کی

حالت میں فوجی جنرلوں نے امریکی احکام کے مطابق بھٹو صاحب کو چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر مقرر کر دیا۔ انہوں نے آتے ہی کرنسی کی قیمت میں زبردست کمی کر دی اور امریکی خوشنودی کے دوسرے اقدامات کئے مگر جب بھٹو ایٹم بم بنانے کے چکر میں پڑ گئے تو انہیں نکالنے کا فیصلہ کر لیا گیا۔ اس فیصلے کے تحت الیکشن کرانے کا انتظام کیا گیا اور الیکشن میں دھاندلی کو عنوان بنا کر تحریک شروع کی گئی جو "تحریک نظام مصطفیٰ" بھی بن گئی اور منصوبہ کے عین مطابق بھٹو صاحب کی جگہ مارشل لاء نے لی۔ وعدہ نوے دن میں انتخاب کرانے کا تھا مگر یہ وعدہ ایک عشرہ میں بھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکا اور اس سارے دور میں الیکشن نہ کرانے کی سازش کے تحت سیاسی جماعتوں کو غیر اسلامی قرار دیا گیا اور انتخابات کے "خلاف شریعت" ہونے کا پروپیگنڈہ کیا گیا۔

دوسری طرف حالات تبدیل ہو رہے تھے' سرد جنگ ختم ہو رہی تھی۔ امریکہ نے الیکشن پر زور دیا تو بادل ناخواستہ ۸۵ء کے الیکشن کرائے گئے مگر اس الیکشن کے نتیجے میں بننے والی جونیجو حکومت اپنی میعاد پوری کرنے سے پہلے قتل کر دی گئی اور اس قتل سے ضیاء الحق نے اپنے قتل کا سامان کر لیا کیونکہ امریکہ اب طے کر چکا تھا کہ فوجی آمروں کی جگہ سیاستدانوں کی حکومت آنی چاہئے۔ فوجی جنرلوں نے یہ حالات دیکھے تو مجبوراً الیکشن کرائے مگر یہ بھی سازشی نوعیت کے الیکشن تھے۔ اس میں آئی ایس آئی کے ذریعہ ایک مصنوعی اور منفی اتحاد اسلامی جمہوری اتحاد کے نام سے بنایا گیا۔ اس الیکشن کے نتیجے میں بے نظیر کی کمزور حکومت بن گئی جس کو صدر اسحاق' صاحبزادہ یعقوب اور بہت سے دوسرے ناپسندیدہ لوگ قبول کرنے پڑے۔

یہ بے نظیر حکومت ایک اپاہج حکومت کے طور پر رکھی گئی تھی اور اسے بھی سازشوں اور ہنگاموں کے ذریعہ جلد رخصت کر دیا گیا اور نئی سازش کے تحت نئے الیکشن کرائے گئے۔ ارادہ جتوئی کو وزیر اعظم بنانے کا تھا' نگران وزیر اعظم وہ بنا بھی دیئے گئے تھے لیکن نواز شریف پنجاب کی طاقت بن کر نمودار ہو گئے اور ملک کے حاکم بن بیٹھے۔ اس سے فوجی جنرلوں کا جتوئی' کھر اور دوسری کٹھ پتلیوں کو لانے کا پروگرام درہم برہم ہو گیا اور اب خاموش طریقے پر نواز حکومت کے خلاف ریشہ دوانیاں شروع کر دی گئیں۔ ایوان صدر کو اس کا مرکز بنایا گیا اور لانگ مارچ کے غبارے میں ہوا بھری گئی۔

اسی طرح ایک نئی سازش کے تحت الیکشن ۹۳ء کے نام پر ایک عبوری وزیر اعظم درآمد کئے گئے۔ وہ اس عبوری عرصہ میں ہماری معیشت' سیاست اور خارجہ امور کے بارے میں مستقل نوعیت کے فیصلے کر رہے ہیں اور صاف کہہ رہے ہیں کہ جو بھی منتخب حکومت ہو گی اسے ان فیصلوں سے سرتابی یا انحراف کی اجازت نہیں ہو گی۔ یہ عجیب جمہوریت ہے جو عالمی بینک کے زیر اہتمام آ رہی ہے اور اس میں پالیسیوں سے لے کر پروگرام تک سب پہلے ہی تیار کیا جا رہا ہے اور منتخب حکومت کے ذمے فقط اس پر انگوٹھا لگانا ہے۔ اس طرح کے الیکشن سازش نہیں تو اور کیا ہیں..؟۔

مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ ہر سازش کے سلسلہ میں سیاستدان پوری بے غیرتی کے ساتھ استعمال ہوتے رہے ہیں۔ ان سیاستدانوں کے سرخیل چودھری خلیق الزمان نے ایوب خان کو کنونشن لیگ بنا کر دی' خان قیوم بھٹو کابینہ کے وزیر ہو گئے' بھٹو نے بھی سازش کے تحت اقتدار حاصل کیا اور سازش ہی کے نتیجے میں پھانسی پا گئے۔ ضیاء الحق کو ولی خان نے انتخابات سے پہلے احتساب کا مشورہ دیا اور تمام علمبرداران اسلام نے ضیاء الحق کے دست جمہوریت کش پر بیعت کر لی۔ ان کی دشمنی فقط بھٹو سے تھی' جمہوریت سے کوئی واسطہ انہیں نہیں تھا۔ جب آئی ایس آئی نے ان سے متحد ہونے کے لئے کہا تو یہ راتوں رات متحد ہو کر اسلامی جمہوری اتحاد بن گئے اور اب جبکہ کان میں پھونکا گیا ہے کہ ہرگز متحد نہیں ہونا تو اتحاد سے روگردانی ہے۔

الیکشن ۹۳ء کی اس سازش کے مقاصد بھی راز نہیں ہیں' ہر کوئی جان گیا ہے کہ ایک "ہنگ پارلیمنٹ" لانی مقصود ہے جس میں کسی کی واضح اکثریت نہ ہو اور ہر جماعت انتشار سے دوچار رہے۔ یوں سب امریکہ اور فوج کے جنرلوں کے کہنے پر چلیں گے اور غیر مستحکم حکومت پر آئی ایم ایف اور عالمی بینک کا مالیاتی کنٹرول ہو گا۔ خارجہ پالیسی میں یہ مشرق وسطیٰ میں امریکی منصوبوں کی تائید کرے گی اور کشمیر کے سلسلہ میں بھی فلسطین کی طرز کا سودا ہو جائے گا۔ اس سلسلہ میں سردار قیوم امریکہ کے دورہ پر ہیں اور یہ طے ہو چکا ہے کہ جموں اور لداخ بھارت کو دے دیا جائے گا' شمالی علاقہ جات پاکستان کا حصہ بنائے جائیں گے' آزاد کشمیر کی موجودہ حیثیت برقرار رہے گی اور سری نگر میں ایک آزاد حکومت وجود میں لائی جائے گی جو پاکستان کے خلاف محاذ آرائی کرے گی۔ اس حکومت کا کچھ نہ کچھ تعلق بھارت سے ضرور رکھا جائے گا۔

امریکہ نے اس طرح مسئلہ کشمیر حل کرانے اور پاکستان کی فوجی و اقتصادی امداد بحال کرنے کی جو یقین دہانی کی ہے اس پر پاکستان کے فوجی جنرل بہت خوش ہیں۔ ایٹمی پروگرام پہلے ہی منجمد ہے' آئندہ اسے رول بیک بھی کیا جائے گا جس کے لئے لابی تیار ہو گئی ہے۔ اب ایک نئی ٹگڈم پاکستان پر مسلط ہو گی' اس میں امریکہ ہو گا' کچھ فوجی جنرل ہوں گے اور وہ منتخب حکومت ہو گی جو کٹھ پتلی کا کردار ادا کرنے کے لئے تیار ہو گی۔ یہی الیکشن ۹۳ء کا ماحصل ہے اور اسی کے لئے اس الیکشن کی سازش کی گئی ہے۔ OO

جلسہ خلافت صادق آباد

۲۸ ستمبر ۹۳ء بروز منگل بعد نماز عشاء

خصوصی خطاب: جنرل ایم ایچ انصاری

ناظم اعلیٰ تحریک خلافت پاکستان

دیگر مقررین: انجینئر مختار حسین فاروقی' جناب عبدالرزاق اور مولانا مقصود احمد

زیر اہتمام تحریک خلافت پاکستان حلقہ بہاولپور ڈویژن

انتخابات میں مذہبی کرداروں کا کردار

چھوٹے شیطان کو بڑا بنتے کیا دیر لگتی ہے!

نثار احمد ملک

دائیں اور بائیں بازو کی تقسیم کیا قصہ ماضی نہیں ہو چکی؟

پاکستانی سیاست کی تاریخ پر نظر رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ بدقسمتی سے دینی عناصر کو مختلف جماعتوں اور طالع آزماؤں نے ہمیشہ اپنے مذموم مقاصد کے لئے استعمال کیا' کبھی جمہوریت کے نام پر اور کبھی اسلام کے نام پر۔ کبھی سیاست دانوں نے اپنے مقاصد کے حصول کے لئے دین اور رجال دین کو بطور سیڑھی استعمال کیا اور کبھی فوجی طالع آزماؤں نے اپنے جبرواستبداد کے جواز کو گوارا ثابت کرنے کے لئے دینی عناصر کو اپنے گرد جمع کر لیا۔ اس کا افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ یہ کھیل ہنوز روز اول کی طرح جاری ہے۔

انتخابات کی تاریخ جیسے جیسے قریب آتی جاتی ہے ایسے ایسے انتخابی جوڑ توڑ بھی اپنی منطقی انتہا کو پہنچتا نظر آرہا ہے۔ تاہم یہ بات کافی حوصلہ افزا ہے کہ دینی عناصر کی اکثریت ملک کی دو بڑی سیاسی قوتوں میں سے کسی کے ساتھ انتخابی اتحاد میں تادم تحریر شریک نہیں ہوئے۔ ہر اس شخص کی جس کا دین اسلام کے ساتھ کسی بھی درجے کا تعلق ہے' یہ خواہش ہے کہ دینی سیاسی جماعتیں ایک پلیٹ فارم سے انتخابی معرکہ میں شریک ہوتیں۔ لیکن اس خواہش کے باوجود دینی سیاسی جماعتیں مختلف محاذوں کی شکل میں تقسیم ہو کر انتخابی مہم میں شریک ہوئی ہیں

ہماری یہ خواہش ہے کہ تمام دینی جماعتیں کسی دوسری سیکولر جماعت کا سہارا لئے بغیر اپنی بنیاد پر الیکشن میں حصہ لیں لیکن اخباری بیانات کے مطابق مسلم لیگ نے آخری کوشش کے طور پر دینی جماعتوں سے اتحاد کے لئے رابطے شروع کر دیے ہیں۔ بعض دینی سیاسی جماعتوں پر ایک قابل احترام مسلمان ملک کی طرف سے بھی دباؤ بڑھ رہا ہے کے وہ نواز شریف کے ساتھ اتحاد و تعاون کی روش اختیار کریں۔ اس کے علاوہ ایک خاص مسلک کی نمائندہ سیاسی جماعت کے تمام دھڑے اسی اسلامی ملک کے اشارے پر اپنی پوری "متاع" سمیت مسلم لیگ کی خدمت میں حاضری لگوا بھی چکے ہیں۔ مزید برآں جماعت اسلامی کے سابق امیر محترم میاں طفیل محمد صاحب کا جو بیان ۱۱ ستمبر کے اخبارات میں شائع ہوا ہے' اس میں انہوں نے جماعت اسلامی اور قاضی حسین احمد صاحب پر زور دیا ہے کہ عقل کے ناخن لیں۔ میاں صاحب کا کہنا ہے کہ اگر ووٹ اس طرح تقسیم ہو گئے تو پاکستان پیپلز پارٹی برسراقتدار آجائے گی جس کی اسلام دشمنی اظہر من الشمس ہے۔ ۱۱ ستمبر کے نوائے وقت میں یہ خبر بھی شائع ہوئی ہے کہ مسلم لیگ کی اس کوشش میں کامیابی کے کچھ آثار بھی نظر آرہے ہیں۔ حال ہی میں مولانا سمیع الحق صاحب کا بھی ایک بیان اخبارات کی زینت بنا ہے کہ قاضی حسین احمد کو راضی کر لیا جائے تو میں راضی ہوں۔ گویا مولانا سمیع الحق مدظلہ کے دل میں مسلم لیگ کے لئے ابھی تک نرم گوشہ موجود ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے جس سے انکار شائد سیاسیات کے کسی بھی طالب علم کے لئے ممکن نہیں ہے کہ پاکستان پیپلزپارٹی کے قیام اور ایک عوامی قوت کے طور پر ابھرنے کے بعد جتنے بھی سیاسی اتحاد معرض وجود میں آئے' وہ اسی کو راستے سے ہٹانے کے لئے تھے۔ چنانچہ پی این اے کی تحریک جسے بعد میں مشرف بااسلام کرنے اور عوامی تائید حاصل کرنے کے لئے "نظام مصطفیٰ" کا عنوان دیا گیا' اس بات کی کہ یہ تحریک اسلام کے لئے ہرگز نہ تھی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس میں بعض کھلے سیکولر ذہن کے لیڈر اور جماعتیں بھی شامل تھیں۔ تاہم عوام کی اکثریت سڑکوں پر اسلام ہی کے نام پر آئی تھی اس لئے کہ لوگوں کو اس نعرے کے بغیر سڑکوں پر لانا قدرے مشکل کام ہے۔

اس وقت بھی بعض حلقوں کی طرف سے یہ فلسفہ دہرایا جارہا ہے کہ پیپلزپارٹی کو راستے سے ہٹانے کے لئے مسلم لیگ کا ساتھ دئے بغیر چارہ نہیں ہے۔ چنانچہ وہی پرانا فلسفہ ایک مرتبہ پھر دہرایا جارہا ہے کہ بڑی برائی کو ختم کرنے کے لئے چھوٹی برائی کا ساتھ دینا چاہئے۔ گویا آج تک کے تمام اتحاد کسی نہ کسی منفی بنیاد پر بنتے رہے ہیں اور آج پھر اسی منفی بنیاد کو ہی بروئے کار لانے کی کوشش کی جارہی ہے۔

ہماری رائے میں پاکستان پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس سلسلے میں ہمارے پاس اپنے موقف کے حق میں براہین و دلائل موجود ہیں۔ ہمارے نزدیک دونوں سیکولر مزاج کی حامل جماعتیں ہیں۔ دونوں میں سے کسی کو بھی اسلام بطور نظام حیات کے قبول نہیں ہے۔ دونوں مغربی جمہوریت کی دلدادہ ہیں لہٰذا دینی عناصر کو اب یہ پہچاننا ہو گا کہ پاکستان مسلم لیگ بھی ایک سیکولر جماعت ہے۔ مسلم لیگ کو اسلام پسند جماعت کہ کر علماء کرام کا دست تعاون دراز کرنا ایک بہت بڑا دھوکہ ہے۔ اگر آج بھی دینی جماعتیں نواز شریف صاحب کی گود میں جابیٹھتی ہیں تو گویا وہ اپنے علیحدہ تشخص سے دستبردار ہوتی ہیں۔ ہم عرض کریں گے کہ "**الکفر ملۃ واحدہ**" کفر کل کا کل ایک وحدت ہے' چاہے ہمیں الگ الگ ہی کیوں نہ نظر آئے۔

۱۹۹۰ء کے انتخابات میں تقریباً تمام دینی عناصر نے آئی جے آئی کے پلیٹ فارم پر متحد ہو کر مسلم لیگ کا ساتھ دیا تھا۔ آئی جے آئی کو اسلام کے نام پر مینڈیٹ ملا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ دستوری اور قانونی سطح پر اسلام کا جو حشر کیا گیا' وہ تو پیپلزپارٹی کے دور میں بھی نہیں ہوا تھا۔ آئی جے آئی کی حکومت نے جو شریعت بل پاس کیا وہ سب کے سامنے ہے جس میں کفریہ شقیں بھی موجود ہیں۔ اس طرح وفاقی شرعی عدالت نے جب سود کے خلاف اپنا مومنانہ اور بے باکانہ فیصلہ سنایا تو آئی جے آئی کی حکومت نے اسے سپریم کورٹ میں چیلنج کر دیا۔ لہٰذا اصل مسئلہ یہ نہ ہوا کہ کون اسلام پسند ہے اور کون اسلام پسند نہیں بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ کسے اسلام بطور نظام حیات منظور ہے اور کون ہے جسے مغرب کی خوشنودی اور رضا مطلوب ہے۔

ایک اور دلیل جو مسلم لیگ کے ساتھ اتحاد کی ضرورت کے ضمن میں دی جاتی ہے' یہ ہے کہ پیپلز پارٹی نے اپنے ہر دور اقتدار میں دین اور رجال دین کی توہین کی اور اسلامی تعزیروں کو وحشیانہ کہا ہے۔ یہ بات حقیقت پر مبنی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پیپلز پارٹی ایک لادین جماعت ہے۔ اس کا ماضی سیاہ ہے لیکن اس نے اپنے افکار و نظریات کو کبھی چھپایا بھی تو نہیں۔ اسلام کے حوالے سے اس نے کسی کو دھوکہ تو نہیں دیا۔ ہمارے وہ دوست جو پیپلز پارٹی کے اسلام دشمن رویے کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں' ہم ان سے بصد ادب عرض کرتے ہیں کہ وہ ماضی بعید سے پہلے ماضی قریب میں ہی جھانک لیں تو انہیں پیپلز پارٹی کی اسلام دشمنی بھول جائے۔ اسلامی جمہوری اتحاد کی حکومت نے جس منظم طریقے سے اسلام اور رجال دین کے خلاف پروپیگنڈا کیا وہ تو کل کی بات ہے۔ کیا سردار آصف احمد علی اور رانا نذیر کو میاں صاحب نے اسی لئے نہیں پالا پوسا تھا کہ اسلام اور علماء کرام کے خلاف جو منہ میں آتا ہے بکتے رہیں؟ اور کیا انہوں نے یہ "کار خیر" بحسن وخوبی انجام نہیں دیا؟ یہ الگ بات ہے کہ وہی سردار آصف احمد علی جب کسی اور کے ہاتھوں میں بک کر ان کے اپنے خلاف "غزل سرا" ہوا تو غدار ٹھہرا۔ جب تک وہ علماء کرام اور دین اسلام کے خلاف توہین آمیز زبان استعمال کرتا رہا تو محب وطن تھا۔ ہمارے علماء کرام اگر ان کے زہر آلود بیانات کو بھول گئے ہوں تو یہ ان کی مرضی لیکن ہمارے قلب و دماغ پر وہ ابھی تک نقش ہیں۔ اس کے علاوہ اس "دور سعید" میں علماء کرام کے وقار کو عوام میں کم کرنے کے لئے ان کی کردار کشی کی گئی اور نوبت جنسی سکینڈل تک پہنچائی گئی۔ آخر کسی ایسی گری ہوئی حرکت کی مثال پیپلز پارٹی کے عہد میں موجود ہے؟

مزید براں خود میاں نواز شریف صاحب اسلام آباد سے واشنگٹن تک ہر پلیٹ فارم سے یہ اعلان برات کرتے پھرتے ہیں کہ "یقین رکھو میں بنیاد پرست نہیں ہوں"۔ گویا میں وہی کچھ کروں گا جو میرے مغربی آقاؤں کی رضا ہوگی۔

ایک اور دلیل یہ دی جاتی ہے کہ اگر پیپلز پارٹی برسر اقتدار آگئی تو عورت کی حکمرانی قائم ہو جائے گی۔ اس حوالے سے مولانا فضل الرحمن صاحب کا ایک بیان شائع ہوا ہے کہ ہمارے علماء کرام کی سوئی عورت کی حکمرانی پر آکر اٹک جاتی ہے۔ ہم اس بحث میں نہیں پڑتے کہ عورت کی حکمرانی کی اسلام میں کیا حیثیت ہے۔ اس لئے کہ اس مسئلہ کا تعلق اسلامی ریاست سے ہے نہ کہ کسی مسلم ریاست سے۔ لیکن ہم یہ ضرور کہیں گے کہ اگر پیپلز پارٹی عورت کو حکمران نہ بنائے بلکہ سربراہ حکومت کسی مرد کو بنادے تو کیا ہمارے علماء کرام کو پیپلز پارٹی قبول ہو گی؟۔ دراصل جو بات سمجھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ معاملہ شخصیتوں کا نہیں بلکہ افکار و نظریات کا ہے۔ ہمیں پی پی کو مسترد اس لئے کرنا ہے کہ وہ لادین جماعت ہے' ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں ہے کہ اس کی سربراہی بے نظیر بھٹو صاحبہ کے ہاتھ میں ہے یا آصف زرداری کے ہاتھ میں۔ پی پی پی ہمیں ان افکار کی وجہ سے ناپسند ہے جس کی وہ پرچارک ہے۔ وہ اسلام کو ایک بوسیدہ اور ناقابل عمل نظام سمجھتی ہے۔ اور اس سطح پر آکر مسلم لیگ اور پیپلز پارٹی میں سرمو فرق نہیں رہتا۔ اگر پیپلز پارٹی نے اسلامی سزاؤں کو وحشیانہ اور ناقابل عمل گردانا ہے تو مسلم لیگ نے بھی اسلام کے نظام معیشت کو ازکار رفتہ ہی سمجھا اور اسے ناقابل عمل قرار دیا ہے۔

دینی عناصر کو مسلم لیگ کی گود میں ڈالنے کے لئے دلیل کے طور پر سیاسی جماعتوں کی دائیں بازو اور بائیں بازو میں تقسیم کو بھی پیش کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ تمام دائیں بازو کی جماعتیں ایک پلیٹ فارم سے بائیں بازو کی جماعتوں کا مقابلہ کریں۔ اس ضمن میں ہم عرض کریں گے کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ سوشلزم کے بطور نظام زمین بوس ہونے کے بعد اب دائیں اور بائیں بازو کی تقسیم ختم ہو چکی ہے۔ اس لئے کہ دائیں اور بائیں بازو کی تقسیم کا تعلق اسلام کے ساتھ نہ تھا بلکہ دنیا میں موجود دو غالب نظاموں کے ساتھ تھا۔ دائیں بازو کی جماعتوں کو عموماً مغربی سرمایہ دارانہ جمہوری نظام کی حامی سمجھا جاتا تھا جب کہ بائیں بازو کی جماعتوں کو سویت یونین کے زیر اثر ممالک میں موجود سوشلزم پر مبنی نظام معیشت کا حامی سمجھا جاتا تھا۔ اس میں اسلام کا کوئی حوالہ نہیں۔ اسلامی ممالک میں سے کچھ سوشلسٹ بلاک میں تھے اور کچھ امریکی بلاک میں شامل تھے۔ اب جب کہ دنیا میں فقط ایک نظام کا غلبہ ہے تو دائیں اور بائیں بازو کی تقسیم ختم ہو گئی ہے۔

اس کے علاوہ ہم دیکھتے ہیں کہ اے این پی جو کہ ماضی میں بائیں بازو کی علیحدگی پسند جماعت تھی' وہ ماضی قریب میں بھی اور اب بھی مسلم لیگ کی حلیف جماعت ہے۔ اسی طرح تحریک استقلال بھی ماضی میں بائیں بازو کی ترقی پسندانہ نظریات کی حامل جماعت تھی جو ۹۰ء کے انتخابات میں پیپلز پارٹی کی حلیف تھی جب کہ اس وقت مسلم لیگ کی اتحادی جماعت ہے۔ مزید برآں پاکستانی سیاست کے ماضی پر اگر نظر دوڑائیں تو معلوم ہو گا کہ پاکستان پیپلز پارٹی کے قیام کے بعد دائیں بائیں بازو کا تصور ختم ہو گیا اور بہت سی ایسی جماعتیں جو بائیں بازو سے تعلق رکھتی تھیں' وہ بھی بھٹو کے خلاف تحریک میں شریک رہی ہیں۔

جہاں تک تعلق ہے مسلم لیگ کے منشور کا کہ اس میں اسلام کی طرف پیش رفت کرنے کا عندیہ دیا گیا ہے تو ہم عرض کریں گے کہ جتنا اسلام مسلم لیگ کے منشور میں موجود ہے اتنا تو پاکستان پیپلز پارٹی کے منشور میں بھی آپ کو مل جائے گا۔ حقیقت میں ان دونوں کا منشور تو ان کا وہ گھناؤنا ماضی ہے جس میں اسلام کی طرف کوئی پیش رفت نہیں ہوئی۔

آج دنیا میں دو نظاموں کا تصادم ہے۔ ایک وہ نظام ہے جو امریکہ کی سرکردگی میں بطور غالب نظام کے دنیا میں قائم ہے۔ دوسرا وہ نظام ہے جو اس وقت مغلوب ہے اور اپنی اصلی شکل وصورت اور تمام تر تقاضوں کے ساتھ دنیا کے کسی ملک میں موجود و نافذ نہیں ہے۔ یہ دوسرا نظام "اسلام" ہے۔ اس دوسرے نظام کو نافذ کرنے کی عالمگیر تحریک شروع ہو چکی ہے اور اس غالب نظام کو اگر خطرہ ہے تو اسی سے ہے۔ گویا بقول علامہ اقبال ؎

الحذر آئین پیغمبر سے سو بار الحذر
حافظ ناموس زن' مرد آزما' مرد آفریں

لہٰذا اس نئی تقسیم کے مطابق دو جماعتیں بنتی ہیں۔ ایک امریکی مفادات اور باطل نظام کی محافظ جماعتیں اور دوسری اسلام کے نظام عدل اجتماعی کی داعی اور پرچارک جماعتیں۔

قرآن حکیم بھی فقط دو فریقوں کا ذکر کرتا ہے۔ ایک حزب اللہ (اللہ کی پارٹی)۔ اور دوسرا حزب الشیطن (شیطان کی پارٹی) مقابلہ حزب اللہ اور حزب الشیطن کے درمیان ہے ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بو لہبی

اب یہ کہنا کہ فلاں چھوٹا شیطان ہے اور فلاں بڑا شیطان ہے لہٰذا بڑے شیطان کو گرانے کے لئے اللہ والوں کو چھوٹے شیطان کے ساتھ سمجھوتہ کر لینا

(باقی صفحہ ۱۳ پر)

توسیع دعوت کا ایک قابل تقلید پروگرام

طارق جاوید

وہاں کی مٹی بڑی زرخیز ہے

سابق ریاست دیر کے علاقے میں خلافت کا پیغام پہنچانا ایک خوشگوار تجربہ تھا

ضلع ایبٹ آباد میں دس روزہ دعوتی و تبلیغی توسیعی پروگرام منعقدہ از ۱۶ جولائی تا ۲۵ جولائی میں بتوفیق الٰہی انتہائی حوصلہ افزاء نتائج سامنے آئے۔ چنانچہ تحریک خلافت لاہور ڈویژن کی سطح پر یہ فیصلہ کیا گیا کہ اسی نوعیت کے دیگر پروگرام تشکیل دیئے جائیں۔ یاد رہے کہ مذکورہ بالا دورہ کے نتیجے میں "۱۹" مقامی علماء اور دو سو کے لگ بھگ افراد نے تحریک کی معاونت اختیار کی۔

صوبہ سرحد کے ضلع دیر کا دورہ اس سلسلے کی ایک اہم کڑی ثابت ہوا۔ تمام سفر کی روداد تفصیلاً بیان کی جاتی ہے جو ۱۹ تا ۲۸ اگست دس ایام پر مشتمل ہے۔

صوبہ سرحد میں ضلع دیر کے علاقے کا انتخاب متعدد وجوہ سے عمل میں آیا۔ اس علاقے کے لوگ عام طور پر مذہبی جذبہ سے سرشار ہیں، پیکر خلوص ہیں اور مسلکی تعصب سے بالعموم عاری ہیں، چنانچہ تبلیغی جماعت اور جماعت اسلامی کے مضبوط اور قابل ذکر حلقے وہاں پر قائم ہیں۔ ماہ جولائی میں دیر کے اسٹیڈیم میں داعی تحریک خلافت ڈاکٹر اسرار احمد کے خطاب کے نتیجے میں معتدبہ تعداد میں افراد کی تنظیم اسلامی اور تحریک خلافت میں شمولیت اس بات کی آئینہ دار تھی کہ دین کے لئے جذبہ و جوش رکھنے کے باوجود نظام اسلامی کے قیام کا صحیح منہج ان پر واضح نہیں تھا۔

اس طول تمہید کے بعد روداد سفر یوں ہے کہ جمعرات ۱۹/ اگست کو مرکزی دفتر ۴۔اے مزنگ روڈ لاہور سے چھ افراد پر مشتمل قافلے کی روانگی زیر امارت محترم فیاض حکیم (ناظم تنظیم اسلامی لاہور جنوبی) عمل میں آئی۔ رات دفتر تنظیم اسلامی راولپنڈی میں قیام کے بعد سفر کا اگلا حصہ شروع ہوا جس کا اختتام ضلع دیر کے اہم مقام تیمرگرہ پر بوقت نماز مغرب ہوا۔ یہیں سے بمطابق پروگرام، پشاور کے مبشر فتح محمد اور محمد وارث خاں کی رفاقت نصیب ہوئی۔ مقامی رفیق اور نقیب احسان الودود صاحب کے ہاں پر تکلف ضیافت کا اہتمام کیا گیا تھا۔ رات قیام مقامی مدرسہ "جامعہ معارف العلوم شرعیہ تیمرگرہ" میں ہوا۔ رات قیام کے دوران ہی اس سفر کے سب شرکاء کے مشورے سے اس علاقے میں دعوتی لائحہ عمل طے پایا۔ دورۂ ایبٹ آباد کے تجربات سے آگاہی بھی لائحہ عمل طے کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوئی۔

۲۱/ اگست بروز ہفتہ صبح تیمرگرہ سے روانگی ہوئی۔ ہماری اگلی منزل مقامی گاؤں "کامیٹ" قرار پائی۔ کامیٹ میں مقامی رفیق عبدالودود خاں کی رہائش گاہ پر قیام ہوا۔ حال ہی میں تنظیم میں شامل ہونے والے اس رفیق کا ماضی میں تعلق جماعت اسلامی سے رہا ہے۔ اولاً جمعیت اور بعدہ جماعت اسلامی کے مقامی قائدین میں شمار رہا۔ اس حوالے سے خاصے وسیع علاقے میں ان کا خاصا بڑا حلقہ احباب ہے۔ چنانچہ ان کی معیت حاصل ہونے کے بعد ہی حقیقتاً اور واقعتاً دعوتی سرگرمیوں کا آغاز ہوا۔ مختلف مساجد میں ہر نماز کے بعد مختلف عنوانات کے تحت گفتگو ہوئی جو "عبارتنا شتا و حسنک واحد" کا مصداق تھی۔ بڑی تعداد میں سامعین میں سے نمازیوں نے قیام نظام خلافت کے حوالے سے اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے ہوئے عہد نامہ تعاون پر دستخط کئے۔

۲۲/ اگست بروز اتوار کامیٹ سے صبح کو اگلی منزل کی طرف روانگی ہوئی۔ اثنائے سفر بمقام شرباغ تین مختلف مقامات پر کارنر میٹنگز کا انعقاد ہوا۔ ساؤنڈ سسٹم کی خرابی کے باوجود ۱۷ معاونین دستیاب ہوئے۔

مسجد "صدبرکلے" میں نماز ظہر کی ادائیگی اور پھر نمازیوں سے گفتگو کے بعد امام مسجد جان محمد صاحب نے اصرار کے ساتھ چائے سے خاطر تواضع کی۔ مقامی گاؤں "معیار جندول" اگلی منزل تھی جہاں ۳ بجے دوپہر آمد ہوئی۔ یہ گاؤں قدرے جدید طرز تعمیر کا نمونہ ہے۔ نماز عصر تا نماز عشاء تین مختلف مساجد میں حسب معمول دعوتی خطابات ہوئے۔ رات قریبی کارخانے میں (معرفت عبدالودود بادشاہ) قیام رہا۔

۲۳/ اگست کو بروز پیر معیار سے تحصیل "منڈا" روانگی صبح ۱۰ بجے عمل میں آئی۔ منڈا کے قریب جمعہ بازار سے گزرتے ہوئے کارنر میٹنگ کا اہتمام کیا گیا لیکن صد افسوس حسب سابق ساؤنڈ سسٹم کی خرابی آڑے آئی۔ منڈا میں مقیم رفیق تنظیم محمد امین اور عبدالودود بادشاہ صاحب کے توسط سے آئندہ پروگراموں کا خاکہ تیار کیا گیا۔ نماز ظہر منڈا میں واقع مسجد کاریز میں ادا کی گئی۔ نمازیوں کے ایک جم غفیر (تقریباً تین صد افراد) سے محمد وارث خانصاحب نے اپنے مخصوص اور موثر انداز میں بزبان پشتو خطاب کیا۔ خطاب کے فوراً بعد جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والے دو بارسوخ مقامی قائدین سے خاصی نوک جھونک کے باوجود تقریباً ایک سو نمازیوں نے معاونت اختیار کی۔ سوا چار بجے سہ پہریہ قافلہ "میاں کلے" کی طرف روانہ ہوا۔ قدرے قدیم طرز تعمیر کے آئینہ دار اس گاؤں میں دو مختلف مساجد میں دعوتی پروگرام ہوئے۔ میاں کلے سے واپسی پر نماز عشاء کے فوراً بعد گاؤں ڈنڈوشاہ میں واقع قلعہ نواب آف دیر میں موجود مسجد کے اندر دعوتی خطاب ہوا۔ محمد امین کی رہائش گاہ پر رات قیام رہا۔ صبح فجر کے بعد مقامی مسجد میں موجود نمازیوں سے مبشر فتح محمد نے پشتو میں خطاب کیا۔ خطیب مسجد (فارغ التحصیل درس نظامی) سمیت ۱۲ افراد نے معاونت اختیار کی جبکہ ۷ نے موقع پر اعانت بھی ادا کردی۔

۲۴ اگست کو سوا بارہ بجے دوپہر تحصیل منڈا سے برائے تیمرگرہ سفر کا آغاز ہوا۔ اثنائے سفر جامع مسجد رحیم آباد میں نماز ظہر کے بعد نمازیوں کی ایک معقول تعداد کے سامنے "ہماری دینی ذمہ داریاں" کے حوالے سے گفتگو ہوئی۔ عبدالودود بادشاہ جو کچھ عرصے کے لئے بوجہ علالت ہمشیرہ رخصت پر تھے، مسجد میں پہنچے۔ تیمرگرہ آمد ساڑھے تین بجے دوپہر ہوئی۔ مختلف قسم کے انتظامی امور کی انجام دہی کے بعد محمد فہیم خانصاحب سے ملاقات ہوئی اور انہیں سے مشورے کے نتیجے میں خاص دیر شہر کے لئے قافلہ روانہ ہوا۔ رات قیام مقامی رفیق سعید اللہ (داماد محمد

فہیم خاں) کے ہاں ہوا جو سول ڈیفنس کے محکمہ میں بطور انسٹرکٹر ملازم ہیں۔

۲۵/ اگست کا پورا دن دیر شہر میں قیام رہا جہاں حسب معمول ہر نماز کے بعد مختلف مساجد میں موجود نمازیوں سے دعوتی خطابات کئے گئے۔ علاوہ ازیں دیر شہر میں موجود رفقائے تنظیم اسلامی و معاونین کا ایک مشترکہ اجتماع طے شدہ پروگرام کے مطابق منعقد ہوا۔ رفقاء و معاونین کی مناسب تعداد سمیت حاضرین سے وارث خان صاحب نے مفصل خطاب کیا جسکے نتیجے میں مزید تین افراد نے تنظیم اسلامی کی رفاقت اختیار کی۔

۲۵/ اگست کو رات بمقام دفتر تنظیم اسلامی تیمرگرہ قیام کیا۔ اگلے روز صبح بمعہ فتح محمد اور محمد وارث خان صاحب کی رخصتی کے بعد رفقاء تنظیم حلقہ لاہور بمصداق الفاظ حدیث نبوی ﷺ "وان لنفسک علیک حقا" برائے وادی کلام عازم سفر ہوئے جہاں اصل مقصد یعنی توسیع دعوت کے عمل کے علاوہ سیر و تفریح بھی پیش نظر تھی۔

خصوصی دعوتی خطابات

نامناسب ہوگا اگر مختلف تعلیمی اداروں میں دعوتی خطابات کا تذکرہ شامل روداد نہ ہو۔ مذکورہ بالا پورے سفر کے دوران بالترتیب ہائی سکول کامیٹ، گورنمنٹ ہائر سیکنڈری سکول ثمرباغ، معیار جندول ہائی سکول اور آخر میں دیر شہر میں واقع ڈگری کالج میں خطابات کا اہتمام بذریعہ ذاتی رابطہ کیا گیا۔ متعدد اساتذہ حضرات نے معانت اختیار کی۔ مزید برآں مختلف مواقع پر سوال و جواب کی بھرپور نشستیں بھی منعقد ہوئیں۔

تربیتی نشستیں

ایک عشرے پر محیط پروگرام میں متعدد تربیتی نشستیں بھی اگرچہ آغاز سفر ہی سے پیش نظر تھیں لیکن انتہائی دشوار گزار اور مسلسل پر تکان سفر کے باعث کماحقہ عمل در آمد ممکن نہ رہا۔ تاہم درج ذیل تربیتی پروگراموں کی تفصیل قابل ذکر ہے:

ا۔ سوالات مشتمل بر "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" برائے تفہیم منہج انقلاب نبوی وغیرھم۔

۲۔ قیام نظام خلافت سے متعلق آیات قرآنی و احادیث نبوی کا حفظ کرنا۔

۳۔ صحیح تلاوت قرآن مجید و اذکار مسنونہ و ادعیہ ماثورہ کا یاد کرنا

۴۔ مذاکرہ برائے تفہیم "تنظیم اسلامی کی دعوت"۔

چند کوتاہیاں

درج ذیل کوتاہیوں کا تذکرہ آئندہ اصلاح احوال کے لئے ناگزیر ہے:

ا۔ سفر کی تکالیف و کلفتوں کو ملحوظ خاطر نہ رکھنا۔ راقم کی رائے میں اگر اس نوعیت کے پروگرام توفیق ایزدی سے جاری رہے تو انشاء اللہ العزیز اس کوتاہی میں بتدریج کمی کا کافی امکان موجود ہے۔

۲۔ نظم کے تقاضوں سے غفلت اور اطاعت امیر میں کم کوشی دوران سفر شومئی قسمت سے کئی مواقع پر دیکھنے میں آئی جو تشویشناک ہی نہیں بلکہ فوری طور پر قابل گرفت بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرمائے۔ آمین!

مذکورہ بالا رپورٹ سے بعض اذہان میں ذاتی رابطے کی کمی سے اور دعوتی پروگراموں کے نہج سے متعلق سوالات کا پیدا ہونا بدیہی امر ہے لہٰذا حسب ذیل وضاحت ضروری ہے:

یہ پورا علاقہ پشتو بولنے والے اور بالخصوص نسبتاً کم پڑھے لکھے افراد کی آبادی پر مشتمل ہے چنانچہ لاہور کے حلقے سے شریک رفقاء کی حیثیت "زبان یار من "پشتو" و من پشتو نمی دانم" کے حوالے سے اصولی طور پر غیر موثر رہنا فطری امر تھا جب کہ قافلہ میں شریک مقامی رفقاء کی تعداد صرف دو تھی۔ مذکورہ بالا جملہ دعوتی خطابات میں سے محمد وارث خان صاحب کا لگ بھگ ۸۰ فیصد حصہ تھا۔ یہ مشاہدہ اطمینان کا باعث ہوا کہ آبادی کا بہت بڑا حصہ پورے اہتمام کے ساتھ پنجگانہ نماز مساجد میں باجماعت ادا کرتا ہے۔

تاہم تمام تر موانع اور کوتاہیوں کے باوجود "والذین جاھدو فینا لنھدینھم سبلنا" کی نوید جانفزا زندہ حقیقت کے طور پر عیاں ہو کر یوں سامنے آئی کہ کل چار صد افراد نے تحریک خلافت پاکستان کی معاونت اختیار کی۔

رپورٹ کے اختتام سے قبل بمصداق الفاظ حدیث مبارکہ "من لم یشکر الناس لا یشکر اللہ" رفقاء میں سے بالخصوص احسان الودود، عبدالودود بادشاہ، محمد امین، شاہ وارث، سعید اللہ کا اور جنہوں نے بھی دامے، درمے، قدمے، سخنے ہماری معاونت فرمائی، صمیم قلب سے شکر گزار ہیں اور اجر عظیم کے لئے دعاگو ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قیام نظام خلافت کے ضمن میں اپنی ذمہ داریوں سے کماحقہ عہدہ براء ہونے کی توفیق ارزانی فرمائے آمین!۔OO

بقیہ تراشے

ہیں تو پھر آکر تھانہ، بٹ خیلہ، درگئی اور سخاکوٹ کے بازاروں میں جہاں سے بھی چاہیں جلسہ کرکے عوامی آراء پوچھیں کہ آپ کو بحیثیت امیدوار میں منظور ہوں یا مولانا محمد عنایت الرحمان؟ تب انہیں حقیقت کا پتہ چل جائے گا کہ عوام کسے چاہتے ہیں لیکن اگر اس نے ایسا نہ کیا تو ۶ اکتوبر دور نہیں، معلوم ہوجائے گا کہ سچائی اس طرف ہے۔ وماعلینا الا البلاغ

از .... رکن جماعت اسلامی ..... ملاکنڈ ایجنسی موضع تھانہ (جماعتی انضباطی کاروائی سے بچانے کے لئے نام شائع نہ کرنے کی درخواست ہے)۔OO

جلسہ خلافت شیخوپورہ

۲۳ ستمبر ۹۳ء بروز جمعرات بعد نماز عشاء

خصوصی خطاب: میجر جنرل ریٹائرڈ ایم ایچ انصاری

ناظم اعلیٰ تحریک خلافت پاکستان

دیگر مقررین: جناب عبدالرزاق اور مرزا ندیم بیگ

الداعی: تحریک خلافت پاکستان حلقہ گوجرانوالہ ڈویژن

گھر کے بھیدی نے لنکا ڈھائی

حلقہ این اے ۲۶ (مالاکنڈ) سے قاضی صاحب کی امیدواری کا قصہ

روز نامہ پاکستان کی اشاعت ۱۰ ستمبر سے ایک کالم "ناتمام" پیش خدمت ہے۔ بعد میں سننے میں آیا کہ جماعت کے حلقے کالم نویس پر الزام دھرتے ہیں کہ ایک گمنام رکن جماعت کا خط ان کے اپنے ذہن کی ایجاد ہے لیکن ہم جانتے ہیں کہ کالم نویس' جناب ہارون الرشید مولانا مودودی مرحوم اور جماعت اسلامی کے شیدائیوں میں سے ہیں اور جہاد افغانستان کے حوالے سے خصوصاً قاضی صاحب سے تو وہ والہانہ لگاؤ رکھتے ہیں۔ یہ جعلسازی جو ان کے ممدوح کے خلاف جاتی ہے' وہ ہرگز نہیں کر سکتے تھے۔ اور ایسی کہانیاں تو اب ان گنت سننے میں آتی ہیں' اس میں ایسی کون سی دور کی کوڑی ہے جسے ڈھونڈنے میں وہ اتنی کاوش کرتے ..... (ادارہ)

پچھلے چند ہفتوں پر پھیلی ہوئی قاضی حسین احمد کی عوامی رابطے کی مہم نے حیرت انگیز نتائج پیدا کئے ہیں۔ میرے خیال میں ان کی مہم کا سب سے اہم نتیجہ یہ نہیں کہ ان کی مقبولیت میں اضافہ ہوا' ہے اس سے بھی زیادہ اہم یہ ہے کہ ملک کے ۷۰ ۸۰ فیصد ووٹروں کی عظیم اکثریت نے جو ۱۹۵۱ء کے پہلے انتخابات سے اب تک کبھی یہ سوچنے پر آمادہ نہ تھی کہ جماعت اسلامی اس ملک کا نظام چلا سکتی ہے اب دل و دماغ کے دروازے ایک نئے پیغام کے لئے کھول دیئے ہیں۔ میرے خیال میں یہ قاضی حسین احمد اور ان کے چند جواں سال مشیروں کا کارنامہ ہے کیونکہ جماعت کے ارکان اور پرانی قیادت کی عظیم اکثریت تامل کا شکار تھی یا مزاحمت کر رہی تھی۔ جو لوگ جماعت اسلامی کے اندرونی حلقوں کی سوچ سے باخبر ہیں انہیں معلوم ہے کہ یہ مزاحمت عوامی مقبولیت کی ابھرتی ہوئی لہروں میں کمزور تو ہوئی ہے لیکن اب بھی اس میں بڑی قوت باقی ہے۔

سیاست اور تاریخ کا کوئی بھی طالب علم اندازہ کر سکتا ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ قوت کمزور ہوتی جائے گی کیونکہ اولاً اس کا طرز عمل مدافعانہ ہے' ثانیاً اس کے لئے عوامی تائید حاصل ہونے کا کوئی امکان نہیں۔ یہ سمجھنا البتہ غلط ہوگا کہ جماعت اسلامی کا پرانا انداز فکر آناً فاناً تحلیل ہو جائے گا۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی کے ماننے والوں سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ کوئی انہیں قائل کئے بغیر اس طرح ہنکالے جائے گا' جس طرح دوسری سیاسی جماعتوں میں ہوتا ہے۔

یہ جماعت اسلامی کے ایک ناراض رکن کا خط ہے جو صحافتی ضابطہ اخلاق کے تحت من و عن شائع کیا جا رہا ہے۔ جناب قاضی حسین احمد یا ان کا کوئی ترجمان چاہے تو اس سلسلہ میں اپنے نقطہ نظر کی وضاحت انہیں کالموں میں کر سکتا ہے۔

آپ کا کالم "ناتمام" بعنوان "قاضی آ رہا ہے" پڑھا جس میں آپ نے قاضی حسین احمد صدر پاکستان اسلامک فرنٹ کی مدح سرائی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "قاضی کے اسلوب میں ایسی کون سی چیز ہے جس پر جماعت اسلامی کے بوڑھے محافظ معترض ہیں۔ واضح طور پر یہ ان کا عوامی انداز ہے۔ قاضی عوامی احساسات کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ ساری دنیا کے سب سیاستدان دیتے ہیں۔ کہ عوامی احساسات کا ادراک ہی مقبول سیاست کی بنیاد ہے۔ جماعت اسلامی کے پرانے لیڈروں کا مخمصہ یہ ہے کہ وہ انتخابی سیاست کرنا چاہتے ہیں لیکن وہ اپنی تحریک عوامی احساسات پر اٹھانا نہیں چاہتے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان کا ہدف قوم کی اخلاقی تربیت ہے۔"

"مجھے بھی آپ سے اتفاق ہے' کہ قوم نواز شریف اور بے نظیر سے مایوس ہو چکی ہے۔ انہیں مایوسیوں کے گھپ اندھیرے میں قاضی کی شخصیت روشنی کی کرن نظر آتی ہے لہٰذا قوم کو متبادل سیاسی قیادت فراہم کرنے' مظلوموں کی داد رسی اور ظلم و بربریت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے انہیں آگے بڑھنا چاہئے۔ لیکن یہ اڑان خلوص نیت' سچائی اور دیانت داری کے ساتھ ہونی چاہئے نہ کہ جھوٹ' فریب' سازش اور منافقت کے ذریعے۔"

"آپ پوچھیں گے کہ آخر قاضی نے کونسی سازش کی ہے؟ اور ان سے کیا جرم سرزد ہوا ہے کہ میں اتنا سیخ پا ہوں تو سنئے۔ میں جماعت اسلامی مالاکنڈ ایجنسی کے موضع تھانہ کا باشندہ ہوں اور رکن جماعت ہوں' نام اس لئے ظاہر نہیں کر رہا کیونکہ جماعتی ڈسپلن کی وجہ سے میرے لب سلے ہوئے ہیں لیکن ضمیر کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے چند سطور رقم کر رہا ہوں۔ امید ہے اسے اپنے کالم "ناتمام" میں شائع کر کے فرض شناسی اور غیر جانبداری کا ثبوت فراہم کریں گے۔"

"محترم ہارون صاحب! عوامی احساسات کو سمجھنا اور عوام کی آواز بن کر پسے ہوئے طبقات کو اٹھا دینا صرف زبانی جمع خرچ کا نام نہیں بلکہ لوہے کے چنے چبانا ہے۔ حلقہ این اے ۲۶ مالاکنڈ کے لئے قاضی حسین احمد کو امیدوار بنانے کے لئے خود قاضی اور اس کے چند ساتھیوں نے جس مکروہ کردار کا مظاہرہ کیا اس سے مجھ جیسے اراکین جماعت کے سر شرم سے جھک گئے ہیں۔ جماعتی روایات کے مطابق آئندہ عام انتخابات کے لئے جماعت اسلامی مالاکنڈ کی شوریٰ نے مولانا محمد عنایت الرحمان (سابق ایم این اے) کو اپنا امیدوار نامزد کیا تھا۔ پھر یہ ضلعی فیصلہ توثیق کے لئے صوبے اور مرکز کو بھجوایا گیا لیکن صوبے اور مرکزی پارلیمانی بورڈز نے بھی مولانا محمد عنایت الرحمان کی نامزدگی کے فیصلہ کو جوں کا توں رکھا تو قاضی کے چند ہم نواؤں نے مولانا کے خلاف ایک منظم مہم شروع کی۔ اخباری بیانات داغے گئے' علاقہ میں ان کی کردار کشی کی گئی اور آخر کار دیر اور مالاکنڈ کے اراکین جماعت کو اکٹھا کر کے رائے لی گئی' خدا گواہ ہے کہ زبانی رائے دیتے ہوئے اکثریت نے قاضی کو حلقہ این اے ۲۶ سے امیدوار نہ بنانے کے حق میں رائے دی' لیکن خفیہ بیلٹ نے سارا معاملہ الٹ کر کے رکھ دیا اور یوں عوامی احساسات کے ترجمان نے اپنی جماعت اور عوام کی رائے کا احترام نہ کرتے ہوئے خود یہاں سے الیکشن لڑنے کا فیصلہ کیا اور جماعت کے ایک مستحکم مقامی امیدوار کو راستے سے ہٹا دیا۔"

"ہارون صاحب! عوامی احساسات کا ادراک رکھنے کے باوجود عوامی احساسات کی توہین کو آپ ترازو کے کس پلڑے میں ڈالیں گے؟ سچائی اور دیانت کے پلڑے میں یا جھوٹ اور فریب کے دھارے میں؟ جواب انصاف سے دیجئے۔"

اگر قاضی خود کو عوامی احساسات کا انسان سمجھتے

(باقی صفحہ ۱۰ پر)

مذہبی جماعتیں ایجی ٹیشن کی سیاست میں کامیاب رہیں

عریاں سیکولرزم ہی یہاں مزاحمت سے دوچار ہو گا

مدیر "تکبیر" کے اندیشہ ہائے دور دراز مبالغے پر مبنی ہیں

محمد سمیع

ہفت روزہ "تکبیر" کے مدیر نے اپنی ۲۶ اگست ۹۳ء کی اشاعت میں اندیشہ ظاہر کیا ہے کہ "اس بار دینی جماعتوں کو الگ تھلگ رکھ کر انتخابات میں بے نظیر اور نواز شریف کو حکومت اور حزب اختلاف میں سے کسی کی بھی قیادت سونپ کر اور دینی جماعتوں کی مجموعی قوت کو تیسرے اور چوتھے درجے پر پہنچا کر دنیا کے سامنے پاکستان کے عوام کی جانب سے یہ واضح اعلان کرا دیا جائے کہ ہم دین سے بیزار ہو چکے ہیں۔ تمام دینی قوتوں کو ہم نے اپنی آزادانہ مرضی سے ووٹوں کے ذریعہ مسترد کر دیا ہے۔ قوم کا یہ فیصلہ سامنے آجانے کے بعد آئین کو اسلامی سے سیکولر بنانے کی راہ ہموار بلکہ بہت آسان ہو جائے گی۔" اپنے اس اندیشے کے پیش نظر انہوں نے دینی جماعتوں کو دعوت فکر دی ہے کہ "اب نواز شریف کا ساتھ دے کر یا تو پہلی پوزیشن حاصل کر سکتی ہیں اور اپنی قوت کا بھرم برقرار رکھ سکتی ہیں اور اس طرح نفاذ دین کا بہتر موقع پا سکتی ہیں یا پھر تیسرے چوتھے درجہ پر جا کر دینی سیاست کی رسوائی اور اپنی سبک سری کا انتظام کر کے وہ مستقبل میں سیکولر قوتوں کی کامیابی کا راستہ کھولنے اور دینی قوتوں کی پیش رفت کا راستہ مزید مسدود کر دینے کا سامان بہم پہنچا سکتی ہیں۔

ہمارے ملک میں مذہبی سیاسی جماعتوں میں صرف دو جماعتیں ایسی ہیں جنہوں نے اس ملک کی سیات میں کچھ کردار ادا کیا ہے۔ ان میں ایک تو جمیعت علماء اسلام ہے جس کا بعض پشتون علاقوں میں ووٹ بینک ہے اور یہی وجہ ہے کہ صوبہ سرحد اور بلوچستان میں اسے کچھ سیٹیں حاصل ہو جاتی ہیں لیکن اول تو یہ جماعت صوبائی سطح سے کبھی اوپر نہیں آئی دوسرے بھٹو صاحب کے دور میں جب مفتی محمود مرحوم کو وزارت علیاء صوبہ سرحد کی نصیب ہوئی تو اگرچہ انہوں نے اپنے صوبہ کی حد تک سرکاری سطح پر مذہبی شعائر کے معاملے میں کچھ پیشرفت کی لیکن نیشنل عوامی پارٹی پر پابندی کے نتیجے میں انہیں مستعفی ہونا پڑا اور وہ ساری پیشرفت وقتی ثابت ہوئی۔ قومی سطح پر اس پارٹی کے نہ ابھرنے کی وجہ ان کا ایک مخصوص مکتبہ فکر کی نمائندگی کرنا ہے۔ اس پر مستزاد مولانا سمیع الحق اور مولانا عبداللطیف جیسے اکابر علماء کا اس جماعت میں الگ دھڑا بنانے کی وجہ سے اس پارٹی کو مزید ضعف پہنچا۔

اب آیئے جماعت اسلامی کی طرف تو واقعہ یہ ہے کہ تقسیم سے قبل یہ ایک دینی تحریک بن کر ابھری۔ اس نے اسلام کی آفاقی دعوت کو عام کیا اور تقسیم ہند کے بعد جب اس نے ملک میں اسلامی دستور کے مطالبہ کے لئے آواز اٹھائی تو لوگوں میں اس کی پذیرائی ہوئی۔ کیونکہ اس وقت تک یہ تحریک ایسی قومی سیاسی جماعت بن کر نہیں ابھری تھی جیسی آج ہے اور عوام کے ذہن میں پاکستان کے قیام کا مقصد بھی تازہ تھا لہٰذا قرار داد مقاصد کے پاس ہونے میں اس جماعت نے اہم کردار ادا کیا اور دوسری سیاسی جماعتوں کے اسلام پسند عناصر نے بھی جماعت اسلامی کی اس معاملے میں حمایت کی۔ لیکن جب یہ مطلقاً ایک قومی سیاسی جماعت کی حیثیت اختیار کرنے لگی اور تحریک کا عنصر پس پشت ہونے لگا تو اولاً ۵۷ء میں اس جماعت کے اکابرین میں سے اکثر نے اختلاف رائے کی بناء پر اس سے علیحدگی اختیار کر لی ثانیاً سیاست میں قدم رکھنے کی بناء پر یہ دوسری سیاسی جماعتوں کی حریف بن گئی اور اس رقابت میں اسے اپنے اصولوں "حکمت عملی" کے نام پر تبدیلیاں کرنی پڑیں۔ لہٰذا یہ جماعت آج ایک دینی تحریک کی بجائے ایک قومی سیاسی جماعت کی حیثیت سے اپنی ہیئت کھوتی چلی جا رہی ہے لہٰذا اپنی ساکھ کو بحال کرنے کے لئے کبھی تو اسے "پاسبان" جیسی تنظیم بنانی پڑ رہی ہے اور کبھی اسلامی فرنٹ بنانا پڑ رہا ہے۔ آج "پاسبان" اور اسلامی فرنٹ کے اسٹیج سے جو ڈرامے عوام کے سامنے آ رہے ہیں' ان سے یہ جماعت نہ صرف اپنی ساکھ مزید کھوتی جا رہی ہے بلکہ اندیشہ ہے کہ مستقبل میں اس کا تشخص بھی برقرار نہ رہے۔

اس جماعت نے ایوب خان اور بھٹو مرحوم کی آمریتوں کا مقابلہ کیا' جمہوریت کی بحالی کے لئے جدوجہد کی اور اس سلسلے میں اسے سیکولر جماعتوں سے بھی اتحاد کرنا پڑا لیکن اس کا نتیجہ کیا نکلا' سیکولر جماعتیں ہی بر سر اقتدار آتی رہیں اور اس کا کام حکومتوں کے گرانے کے لئے دوسری سیکولر جماعتوں کے ساتھ اتحاد بنانا رہ گیا۔ ایوب خان کے بعد بھٹو صاحب بر سر اقتدار آئے اور بھٹو مرحوم کے بعد جنرل ضیاء الحق مرحوم۔ اب جماعت اسلامی کے اس وقت کے سربراہ نے جو سادہ لوحی میں اپنا جواب نہیں رکھتے' ضیاء الحق مرحوم کی اسلام کی گردان سے متاثر ہو کر ان کی حمایت شروع کر دی اور پہلی مرتبہ چند مہینوں کے لئے جماعت اسلامی کے چند ارکان حکومت میں شامل ہو گئے۔ اگرچہ آج تک جواز یہ ہی دیا جاتا ہے کہ جماعت قومی اتحاد کے فیصلہ کے نتیجے میں حکومت میں شامل ہوئی تھی لیکن کیا اس فیصلہ کو ماننا لازم تھا' کیا قومی اتحاد کی افادیت اس وقت تک باقی رہ گئی تھی جو اس سے چمٹے رہ کر اپنے دامن پر یہ داغ لگانا قبول کیا جو آج تک نہ دھل سکا..؟۔ بہرحال جماعت اسلامی کے حزب اقتساب کا کردار ادا کرنے کے نرالے فیصلے نے نہ اسے ضیاء الحق مرحوم کے ساتھ چلنے دیا اور نہ ہی اسلامی جمہوری اتحاد میں نواز شریف کے ساتھ رہنے دیا۔ یہ اس جماعت کا عجب فلسفہ ہے کہ جس کے ساتھ رہیں اس کے خلاف حزب اقتساب کا کردار بھی ادا کریں۔ اسلامی جمہوری اتحاد میں رہتے ہوئے اس کے خلاف بیان بازیاں ہوتی رہیں اور عوام جو اس جماعت کے نظم سے متاثر تھے' سوچنے پر مجبور ہوئے کہ یہ نظم کی کون سی قسم ہے کہ جس اتحاد میں رہ جائے اس کی خرابیاں اتحاد کے اجتماعات کی بجائے عوام میں بیان بازی کے ذریعہ عام کی جائیں۔ انہیں حیرت اس بات پر تھی کہ جب اختلافات اتنے شدید نوعیت کے ہیں تو جماعت اسلامی جمہوری اتحاد سے

علیحدہ کیوں نہیں۔ جماعت اسلامی الگ تو ہوئی لیکن خرابی بسیار کے بعد۔ لہٰذا عوام میں اس کی مقبولیت میں اور کمی آئی۔ ان تمام حالات سے مایوس ہو کر قاضی حسین احمد نے جماعت اسلامی کو پس پشت ڈال دیا ہے اور اسلامی فرنٹ کے اسٹیج سے اپنی شخصیت کو چمکانے میں مصروف ہیں۔

جماعت اسلامی کو کمزور کرنے میں ان کے ہمنوا صحافیوں کا بھی بڑا دخل ہے جنہوں نے اس جماعت کی قوت کے بارے میں اس کے اکابرین کو ہمیشہ خوش فہمی میں مبتلا رکھا ہے۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے زمانے میں تاثر یہی دیا گیا کہ جماعت اسلامی ملک کی سب سے بڑی جماعت ہے جسے عوام کی حمایت حاصل ہے۔ نتیجہ یہ کہ چند سیٹوں کے سوا انہیں کچھ ہاتھ نہ آیا۔ مشرقی پاکستان میں جہاں ایک سیٹ بھی انہیں نصیب نہ ہوئی تو جواز یہ پیش کیا جانے لگا کہ ہارے تو کیا ہوا' ہر جگہ دوسرے نمبر پر یہ جماعت اسلامی ہی کا نمائندہ تھا۔ گویا کہ فیل ہونے والوں میں اول نمبر پر جماعت اسلامی ہی رہی۔ مجھے یاد ہے کہ ۱۹۸۸ء کے انتخابات کے دوران جماعت اسلامی کی نمائندگی کرنے والے ایک اخبار میں کراچی کی ایک سیٹ پر تجزیہ میں لکھا تھا کہ عبدالستار افغانی اور غلام محمد چشتی کا مقابلہ ایسے ہی ہے جیسے ہاتھی کے مقابلہ میں بونا آ جائے لیکن ہم نے دیکھا کہ بونا جیت گیا اور ہاتھی ہار گیا۔ آج بھی صورتحال یہی ہے۔ تاثر یہ دیا جا رہا ہے کہ اسلامی فرنٹ تو بس آوے ہی آوے لیکن صورت حال ہمارے سامنے ہے کہ جماعت اسلامی کے نشتر پارک کے جلسہ عام میں لاکھوں افراد کی موجودگی کے باوجود اگر شفاف انتخابات ہوتے ہیں تو ایم کیو ایم کے سوا کسی کو سیٹ ملنی مشکل ہے۔

مدیر تکبیر کا یہ اندیشہ بے جا ہے کہ دینی جماعتوں کی شکست کی صورت میں یہاں سیکولرزم کی راہ ہموار ہو گی۔ اس دعوے کے باوجود کہ دینی جماعتوں نے سیکولرزم کا راستہ روک رکھا ہے' صورت واقعہ یہ ہے کہ لوگوں کا مزاج سیکولر ہو چکا ہے اور دینی جماعتوں سے بیزاری عام ہو چکی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ عوام عریاں سیکولرزم کو آسانی سے قبول کر لیں گے۔ سیکولرزم کی ظاہری چمک کے باوجود عوام کے ذہن میں لاشعوری طور پر اسلام کی بنیادیں اب بھی گہری ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں جب بھی اسلام کے نام پر کال دی جاتی ہے' یہ مرمٹنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مذہبی جماعتیں اپنے بنیادی کام سے غافل ہو چکی ہیں۔ ان کا بنیادی کام دعوت تھا جس کے ذریعہ وہ عوام میں فکری انقلاب پیدا کرتیں لیکن انہیں سیاسی جوڑ توڑ سے فرصت ملے تو یہ کام کریں۔

مذہبی جماعتوں نے ثابت کیا ہے کہ وہ ایجی ٹیشن کے راستے کامیابی حاصل کر سکتی ہیں۔ شرط یہ ہے کہ اس ایجی ٹیشن کی قوت کو خالصتاً لوجہ اللہ استعمال کیا جائے نہ کہ لوجہ السیاست۔ اگر وہ سیکولرزم کو دفن کر سکتی ہیں تو صرف اس صورت میں کہ وہ صرف انتخابی نظام میں ہی تبدیلی نہ چاہیں بلکہ اس پورے نظام سیاست سے علیحدگی اختیار کریں جس میں بندوں کو گنا جاتا ہے تولا نہیں جاتا۔ اپنی ساری توانائیاں قرآن کے پیغام کو عام کرنے میں صرف کریں لیکن یہ کام سال میں صرف ایک دو بار مہم چلا کر نہیں کیا جا سکتا بلکہ ہمہ وقت قرآنی دعوت کو بنیاد بنا کر ہی کیا جا سکتا ہے۔ صرف اسی طرح لوگوں کی قوت ایمانی میں اضافہ کیا جا سکتا ہے جس کے بغیر منکرات پر مشتمل نظام کو جڑ سے نہیں اکھاڑا جا سکتا۔ لوگوں میں قرآن کے پیغام کو عام کریں' انہیں منظم کریں' انکی تربیت کریں اور بنیان مرصوص بنا کر پرامن مظاہروں اور ایجی ٹیشن کے ذریعہ انہیں باطل نظام سے ٹکرا دیں کہ جب تک باطل کے سر پر حق کا کوڑا نہیں پڑے گا' اس کا بھیجہ باہر نہیں آئے گا۔ پاسبان جیسی تنظیم کے ذریعہ غیر منظم مظاہروں کے نتیجے میں گھیراؤ جلاؤ ہی ہو سکتا ہے جس کا مظاہرہ اس کے سرپرست کی گرفتاری کے موقع پر ہوا۔ اس طرح نظام نہیں بدلے گا بلکہ اس کو جواز بنا کر نظام باطل آپ کے خلاف تشدد کا راستہ اختیار کر کے ملیامیٹ کر دے گا جس طرح آج ایم۔ کیو۔ ایم کے ساتھ ہو رہا ہے کہ ان کے تشدد کے جواب میں انہیں بھی تشدد کا سامنا ہے۔

البتہ الرسیاست کاری ان کے لئے ناگزیر ہے تو تمام سیاسی مذہبی جماعتوں کو ایک پلیٹ فارم پر آ کر مشترکہ جدوجہد کرنی پڑے گی۔ ایسا ہوتا نظر تو نہیں آتا لیکن ایک جزوی طور پر اچھی صورتحال سامنے آتی ہے کہ ان جماعتوں نے بعض مقامات پر ایک دوسرے کے خلاف امیدوار کھڑا نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ شاید اسی طرح ان جماعتوں کے کچھ ارکان اسمبلی میں آ سکیں اور وہاں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر اسلام کے کاز کے لئے مشترکہ جدوجہد کر سکیں۔ اس سے اسلام تو ہرگز نہیں آئے گا البتہ صورتحال میں کچھ نہ کچھ بہتری ہونے کی امید ہے۔ ○○

بقیہ: مذہبی جماعتوں کا کردار

چاہئے تاکہ یہ چھوٹا شیطان بھی خوب فربہ ہو جائے اور پھر اس کو گرانے کے لئے کسی اور چھوٹے شیطان کا سہارا لیا جائے۔ یہ فکر و فلسفہ کسی لحاظ سے بھی درست نہیں ہے۔

دینی سیاسی جماعتوں کو اپنے تشخص کو برقرار رکھتے ہوئے مسلم لیگ کی چھتری کے نیچے سے نکلنا ہو گا۔ عوام الناس کو اسلام کے نظام حیات سے آگاہ کرنا ہو گا اور نظام خلافت کے قیام کے لئے بھرپور جدوجہد کرنا ہو گی۔ اگر دینی جماعتوں نے اپنے وجود کو برقرار رکھنے کے لئے سیکولر مزاج کی حامل جماعتوں کا ساتھ دینے کی پالیسی برقرار رکھی تو ان کا وجود و عدم وجود برابر ہو گا اور وہ "تمہاری داستاں تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں" کا مصداق کامل بن جائیں گی۔ ان کی اس پالیسی سے "اسلامی نظام حیات" کے قیام کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو پائے گا۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا" لہٰذا دینی جماعتوں کے زعماء کو بھی سوچنا چاہئے کہ وہ ایک ہی سوراخ سے بار بار ڈسے جا رہے ہیں۔۔۔ آخر کیوں؟۔ ○○

جلسہ خلافت کراچی

۳۰ ستمبر ۹۳ء بروز جمعرات بعد نماز عشاء

خصوصی خطاب: جنرل ایم ایچ انصاری

دیگر مقررین: انجینئر نوید احمد اور جناب عبدالرزاق

زیر اہتمام: تحریک خلافت پاکستان حلقہ سندھ ڈویژن

آج جس راستے پر "قاضی آرہا ہے" وہ خود مولانا مودودی مرحوم نے کھولا تھا

شکوۂ بے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور

میاں طفیل محمد صاحب کی سادگی کی تو داد دی جاسکتی ہے' استدلال کی نہیں

منظور الحسن صدیقی

گزشتہ دنوں مولانا مودودی مرحوم کے نظریات اور میاں محمد طفیل محمد صاحب کی طرف سے ان کی وکالت کے سلسلہ میں روزنامہ جنگ کے ارشاد احمد حقانی صاحب کے خیالات اور میاں طفیل محمد صاحب کا مکتوب گرامی ان کے کالم "حرف تمنا" کے ذریعہ نظر سے گزرا۔ اس طرح کے تجزیے اور تنقید کا سلسلہ جاری رہنا چاہئے تاکہ سوچ اور فکر میں نکھار پیدا ہو اور امت مسلمہ کا مستقبل کے لئے صحیح طریقہ کار سامنے آئے اور ملک و ملت کو بہتر قیادت اور رہنمائی دینے کی غرض سے وقتاً فوقتاً لوگ سامنے آتے جائیں۔

امت کی مستقل رہنمائی کے لئے ہدایت کے دو سرے چشمے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ یقیناً موجود ہیں مگر ہر دور کے حالات کے مطابق اس رہنمائی سے استفادہ کرتے ہوئے طریق کار اور لائحہ عمل مرتب کرنا امت کے علماء صلحاء اور مفکرین حضرات کی ذمہ داری ہوتی ہے اور ایسے ہی اصحاب اللہ تعالیٰ ہر دور میں پیدا کرتے رہے اور آئندہ بھی کرتے رہیں گے۔ ایک دور میں مولانا مودودی مرحوم پیدا ہوئے اور انہوں نے اپنے علم و فہم کے مطابق پوری دیانتداری سے اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی کرتے ہوئے ایک لائحہ عمل مرتب کیا اور اس مقصد کے لئے باقاعدہ ایک تحریک اور تنظیم کی بنیاد ڈالی۔ یہ حق انکو اگر دیا جاسکتا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ مولانا مرحوم کے بعد نئے لوگ پیدا ہونے بند ہو جائیں اور سوچنے سمجھنے والے افراد کو یہ حق نہ دیا جائے کہ وہ زمانہ کے حالات کے مطابق مسلمانوں کے لئے کوئی بہتر لائحہ عمل یا طریق کار تجویز کریں۔ کیا یہ کام صرف مولانا مودودی پر ختم ہو گیا اور وہی حرف آخر تھے؟ اب آئندہ کیا صرف ان کے تجویز کردہ لائحہ عمل اور ان کے سوچے سمجھے نظریات پر ہی عمل کرنا لازمی ہے اور ان کے نظریات اور فکر و عمل کے بعض پہلوں پر تنقید نہیں کی جاسکتی جبکہ اس دور میں مزید کئی باتیں واضح ہو گئی ہیں۔ یہاں تک کہ مولانا مودودی مرحوم کے بعض خیالات اور نظریات اب قطعی طور پر مسترد کئے جانے کے لائق ہیں۔ کیا جماعت اسلامی کے افراد اب اس قدر جامد تقلیدی ذہن کے مالک اور کور چشم ہوتے جارہے ہیں کہ لکیر کے فقیر کی طرح وہ صرف مولانا مودودی کی لائن پر ہی چلتے رہیں گے' نئی فکر کے ساتھ چلنے سے انکار کردیں گے؟ تاریخ کے تسلسل میں یہی تو وہ مرض ہے جس نے قوموں' گروہوں اور جماعتوں کو تباہ و برباد کیا ہے۔ جماعت اسلامی بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہوگی۔

اس پس منظر میں حقانی صاحب نے جو تجزیہ کیا اور بتایا کہ مولانا مودودی مرحوم کے بعض نظریات یا ان کے متعلق سوچ اشرافیہ کے نقطۂ نظر کے مطابق تھی یا وہ اسلام کی روح تک پہنچ کر' مخصوص طبقوں کے مفادات کے مقابلہ میں عامتہ المسلمین کی فلاح و بہبود اور ان کے حقوق کے پرجوش حامی کی حیثیت سے آگے آنے میں ناکام ہوئے تو یہ بات مولانا مرحوم پر کوئی الزام نہیں بلکہ حقیقت ثابتہ کا اظہار ہے۔ یہاں طفیل محمد صاحب کے لئے انہوں نے بجا کہا ہے کہ ان کی وکالت تو ہمیشہ کمزور رہی ہے۔ چونکہ ان کے پاس اپنا کوئی علم اور فکر نہیں ہے لہٰذا ہر معاملہ میں ان کا استدلال کمزور ہی ہوتا ہے۔ میاں صاحب محترم کا دینی مبلغ علم تو ویسے بھی مولانا مودودی کا اردو لٹریچر ہی ہے بلکہ دوسرے اکابرین جماعت کی سوچ اور ان کی بلندی پرواز بھی مولانا مودودی کے دائرۂ فکر کے اندر ہے اس لئے ان سے یہ توقع تو نہیں کی جاسکتی کہ وہ مولانا مودودی کے افکار و خیالات پر اور ان کے متعین کردہ طریق کار پر تنقیدی نگاہ ڈالتے اور نئے حالات کے مطابق اپنے لئے ایک نیا لائحہ عمل مرتب کرسکتے۔ مولانا مرحوم کے بعض نظریات میں جو جھول پایا جاتا ہے یا انہوں نے اپنے دور میں جو باتیں دیانتداری سے محسوس کیں' ان کے متعلق سوچا' لکھا اور اظہار خیال کیا' اس کے بعد اب علم و شعور نے جو ترقی کی ہے اور کئی نئے گوشے سامنے آئے ہیں ان کی روشنی میں سوچنے سمجھنے والے حضرات پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ نئی راہیں سجھائیں اور امت کو صحیح راستہ پر چلانے کے لئے رہنمائی کریں۔

جماعت کے نئے امیر قاضی حسین احمد نے مولانا مودودی مرحوم کے بعض خیالات اور بعض رویوں کے خلاف جو نیا لائحہ عمل مرتب کیا ہے اس پر جماعت کے بعض ذمہ دار حضرات مثلاً میاں طفیل محمد' نعیم صدیقی اور جان محمد عباسی وغیرہ کی طرف سے اندرون خانہ جو زبردست تنقید ہو رہی ہے وہ بھی اسی جامد ذہنیت' کم علمی اور کم فہمی کا ہی نتیجہ ہے۔ یہاں طفیل محمد نے ملکیت زمین کے مسئلہ پر جو دفاع کیا ہے وہ بجائے خود ان کی کم علمی کی دلیل ہے مگر میاں صاحب محترم نے اپنے دور امارت میں "اقامت دین" اور "دعوت و تبلیغ" کا بہتر طریقہ تو یہی تجویز کیا کہ انہوں نے آمروں اور ڈکٹیٹروں کی ہی حمایت کی' خلیج کے بادشاہوں سے مراعات حاصل کرتے رہے' یحیٰی خان کے مرتب کردہ دستور کو ایک نظر دیکھ کر بیان دے دیا کہ یہ ایک اسلامی دستور ہے۔ پھر ان کے فوجی ایکشن کی حمایت کی' مشرقی پاکستان میں جعلی کابینہ میں جماعت کے لوگوں کو شریک کرلیا۔ جنرل ضیاء مسلط ہوئے تو ان کے پرجوش حامی بن گئے' ان کے حکومتی اقدامات کی عموماً تائید کرتے رہے' ریفرنڈم کے ڈھونگ میں پاکستان کی واحد سیاسی پارٹی کی حیثیت سے ان کی تائید کی جبکہ مسلم لیگ جیسی مفاد پرست پارٹی نے بھی جماعتی حیثیت سے نہیں صرف انفرادی طور پر تائید کی تھی۔ میاں صاحب اپنے دور امارت میں خلیج کے بادشاہوں کے حضور باقاعدگی سے حاضری دیتے رہے۔ سعودی حکمرانوں کے نام نہاد اسلامی اقدامات کی تائید میں رطب اللسان رہے' ان کے یہ اقدامات عموماً امریکہ کی گہری منصوبہ بندی کے نتائج ہوتے ہیں۔ میاں صاحب کی دینی بصیرت اور فہم و فراست اس قدر کمزور ہے کہ حیرت ہوتی ہے کہ وہ تحریک اقامت دین کی قیادت و امارت کے منصب تک کیسے

پہنچ گئے۔ شاید یہ مسلمانوں کی بد قسمتی ہے یا امت میں قحط الرجال کا مظہر ہے۔

میاں طفیل محمد سے کوئی پوچھے کہ آپ کس منہ سے قاضی حسین احمد پر سیاست بازی اور جماعت کو نقصان پہنچانے کا الزام لگا رہے ہیں حالانکہ جماعت کے دینی تشخص اور اقامت دین کی تحریک کو ایک عام سیاسی پارٹی بنانے کے اقدامات تو آپ کے دور امارت میں ہوئے ہیں۔ سیکولر فوجی حکمرانوں سے سمجھوتے اور ان کی حکومتوں میں شرکت تو آپ کا "دینی کارنامہ" ہے۔ آپ نے کب جماعت کو دعوت دین کی تحریک بنا کر رکھا؟ اقتدار تک پہنچنے کے غلط راستے تو آپ نے ہی ایجاد کئے تھے اور اب شور مچا رہے ہیں کہ دعوت و تبلیغ کا سلسلہ نہ رہا۔ اگر میاں طفیل محمد اور ان کے ساتھی "اعتراف گناہ" کریں تو یہ جرم ان سے اور بانی جماعت سے اس وقت سرزد ہوا تھا جب ماچھی گوٹھ کے اجتماع ارکان میں مولانا امین احسن اصلاحی مدظلہ العالی اور ان کے ہم خیال برگزیدہ ساتھی اس بات پر اصرار کر رہے تھے کہ جماعت کو دعوت دین کی تحریک رہنے دو' اس وقت انتخابات کے چکروں میں نہ پڑو۔ مگر انتخابات کے ذریعہ سیاسی اقتدار حاصل کرنے کا خواب ایسا نشہ آور تھا کہ اکثریت نے اس وقت غلط فیصلہ کر لیا اور مولانا اصلاحی صاحب اور ان کے ساتھی مجبوراً جماعت سے علیحدہ ہو گئے۔ ماچھی گوٹھ کے اجتماع نے دراصل اقامت دین کی تحریک کو ایک سیاسی پارٹی میں تبدیل کر دیا اور سیاسی پارٹی بننے کے بعد اب تدریجاً وہ نتائج سامنے آتے جا رہے ہیں جس پر میاں طفیل محمد اور ان کے ساتھی شور مچا رہے ہیں کہ جماعت اسلامی کو تباہ و برباد کیا جا رہا ہے اور کہا جا رہا ہے کہ جماعت اپنے نصب العین سے ہٹ گئی ہے۔ تو میاں صاحب! یہ جماعت اپنے نصب العین تک پہنچنے کے صحیح راستہ تو سے ۱۹۵۰ء میں ہی ہٹ گئی تھی! ایں ہمہ آوردہ تست۔ ذالک بما کسبت ایدیکم۔

اس وقت جماعت اسلامی مکمل طور پر ایک سیاسی پارٹی ہے۔ مولانا مودودی کے دور تک اس کی ساکھ بہتر رہی' میاں طفیل محمد اس کو اپنی کم علمی اور کم فہمی کی وجہ سے غلط رخ پر لے گئے اور اب قاضی حسین احمد صاحب اسے میاں صاحب کی بنسبت "بہتر طریقہ" پر چلانے کی تگ و دو میں مصروف ہیں۔ قاضی حسین احمد نے محسوس کیا کہ اب جماعت ایک سیاسی پارٹی ہی بن گئی ہے تو کیوں نہ اس کو ایک "اصولی کردار" ادا کرنے کے لئے اپنی منزل تک پہنچایا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ قاضی صاحب نے سمجھوتے کی سیاست بازی سے انکار کر دیا ہے۔ نواز شریف کی کابینہ میں جماعت کو شریک نہیں کیا' آئی جے آئی سے نکل آئے' دینی جماعتوں سے اتحاد کرنے کی طرف مائل ہوئے ہیں' امریکی سامراج کو سمجھ رہے ہیں' خلیج کے بادشاہوں سے اپنا پرانا رابطہ کم کر رہے ہیں اور اس طرح کی مستقل منصوبہ بندی سے وہ اپنی سیاسی پارٹی کو شاید کوئی نیا رخ دے سکیں۔ جو لوگ تاریخ کے دھارے میں صحیح وقت پر صحیح فیصلے کرتے ہیں زمانہ ان کا ساتھ دیتا ہے۔ OO

"آزمائش شرط ہے"

نجیب صدیقی

میرے عزیز بھائیو! اس وقت میں آپ کے درمیان ہوں۔ پہلے بھی آپ کے درمیان تھا۔ آئندہ بھی آپ کے درمیان رہوں گا۔ اپنے درمیان آپ مجھے اسی صورت میں دیکھ سکتے ہیں جب آپ اپنے قیمتی ووٹ میری نذر کریں۔

آپ نے کس کس سے دھوکہ کھایا۔ کبھی "لالٹین" سے دھوکہ کھایا' کبھی "پھول" سے دھوکہ کھایا' کبھی "تلوار" سے دھوکہ کھایا۔ اب جو لوگ "تیر" چلا رہے ہیں وہ پہلے بھی دھوکہ دے چکے ہیں' جو "شیر" بن کر آ رہے ہیں ان سے بھی آپ دھوکہ کھا چکے ہیں۔ خدارا سوچئے! اس بار آپ مجھے بھی آزما کر دیکھ لیجئے--------- میں آپ ہی میں سے ہوں۔ میں نے حکومت سے کبھی کوئی قرضہ نہیں لیا' میرا دامن صاف ہے۔ آپ ذرا غور سے دیکھئے میں اتنا برا نہیں کہ آپ مجھے ایک بار نہ آزمائیں۔ میں آپ سے سچ کہتا ہوں' پہلے بھی سچ کہا ہے اور آئندہ بھی سچ کہوں گا۔ میں آپ کے مسائل چٹکی بجاتے حل کر دوں گا۔ چاچے' مامے سے حساب لوں گا۔ ظالموں نے قرض کے نام پر جو لوٹا ہے وہ وصول کروں گا۔ تیر توڑ دوں گا' شیر کا شکار کروں گا' بس آپ کو ایک بار ہانکا لگانا ہے۔

آپ کو میں کیسے یقین دلاؤں کہ میں آپ ہی میں سے ہوں' مجھے پہچاننے کی کوشش کیجئے۔ آپ کو یاد نہیں کہ اس ۱۴/ اگست کو ایسا جشن منایا تھا کہ دنیا دیکھتی رہ گئی۔ شب آزادی میں آتشبازی کی بہار لوگوں نے دیکھی' سوہنی دھرتی کے ترانے اور نغمے ایسے گائے بجائے گئے کہ لوگ رقص کرنے لگے۔ جگنی اور دھمال کا وہ سماں تھا کہ چشم فلک نے شاید اس سے پہلے ایسا نہ دیکھا ہو۔ بگل باجے سے فضا گونج رہی تھی' پرچموں کی بہار اس پر مستزاد! آپ ممی' ڈیڈی' گڑیا' بیلو سبھی تو میرے پاسبانوں کی درخواست پر سج کے' سنور کے سجی سجائی گاڑیوں' بگھیوں اور پرچموں کی یہ بہار دیکھنے آئے تھے اور آئے کیا کھینچ کر لائے گئے تھے کیونکہ اس روز ہر راستہ میرے انوکھے انداز دکھانے کے لئے حسن سکوائر کی جانب آ رہا تھا۔

کون کہتا ہے کہ میری دنیا الگ ہے۔ میر ' پ ہی میں سے ہوں۔ ایک بار آزما کر دیکھ لیجے۔ میں وہی کروں گا جو آپ چاہیں گے۔ میں سچ کہتا ہوں!

اب مزدوروں کے گھر میں فاقہ نہیں ہو گا۔ وڈیرے کی زمین میں اضافہ نہیں ہو گا۔ ھاری کی عزت نہیں لٹے گی۔ بجلی پانی کی کمی نہیں ہوگی۔ پولیس کے ظلم کو جڑ سے کاٹ دیں گے۔ بس ایک بار آزما کر دیکھ لیجے۔

آپ نے اگر اپنے کاندھوں پر مجھے بٹھایا تو میں آپ کو سر آنکھوں پر بٹھاؤں گا۔ میری جیت آپ کی جیت ہوگی' عوام کی جیت ہوگی۔

میں "کار" میں بیٹھ کر آؤں گا پھر ہم سب مل کر دھمال کھیلیں گے!!

حقائق وواقعات
پر مشتمل ڈاکٹر اسرار احمد کی اہم تالیف
تاریخ جماعت اسلامی
کا ایک گمشدہ باب
شائع ہو گئی ہے۔ بڑے سائز کے ۲۲۸ صفحات
سفید کاغذ مضبوط لیمینیٹڈ جلد' قیمت /۸۰
ملنے کا پتہ: مکتبہ تنظیم اسلامی

خلافت راشدہ کا مبارک دور فاروقی

نظام خلافت کا مثالی بندوبست محاصل

اسلامی ریاست کے بیت المال کو حضرت عمرؓ نے ایک باقاعدہ ادارہ بنایا

کوئی بھی حکومت اس وقت تک فلاحی ریاست کے تقاضے پورے نہیں کر سکتی جب تک اس میں بنیادی انسانی ضروریات کی ذمہ داری اٹھا لینے کی صلاحیت نہ ہو اور یہ صلاحیت ظاہر ہے کہ انہی ذرائع سے حاصل ہوتی ہے جن کو جدید معاشیات کی اصطلاح میں ذرائع آمدن کہا جاتا ہے۔ اسلام میں ان ذرائع کے تعین کے بنیادی اصول وضع کر دیئے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر دولت ٹیکس کے طور پر زکوٰۃ اور عشر کی مقررہ شرح، جس میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں ہے۔ تاہم بہت سے معاملات نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد ایسے سامنے آئے جن پر دور خلافت راشدہ میں اجتہاد کیا گیا اور یوں ایک ایسا لائحہ عمل مرتب ہو گیا جو امت کے لئے تاقیامت مشعل راہ بنا رہے گا۔ اس کی سب سے روشن مثال دور فاروقی میں خراجی نظام کا آغاز ہے۔

دور فاروقی میں تشکیل دیا جانے والا یہ نظام عرب کی تاریخ کے لئے بالکل نئی بات تھی۔ ہرچند کہ اسلام سے پہلے بھی عرب میں جنگیں ہوا کرتی تھیں، قبائل کے درمیان فتح و شکست کا عمل فطری انداز میں جاری رہا تھا مگر اس میں محصولات کی طرف شاید اجتماعی طور پر کسی نے توجہ نہیں دی تھی۔ دور نبوی ﷺ میں البتہ فتح خیبر کے موقع پر اسی ضمن میں ایک پیش رفت ہوئی۔ مفتوحین یعنی یہود نے رسول اللہ ﷺ سے اس بنا پر زمین اپنے پاس ہی رکھنے کی اجازت مانگی کہ وہ زراعت کا بہتر تجربہ رکھتے تھے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے ان کی درخواست یوں منظور فرمائی کہ معاملہ بٹائی میں نسبت بتناسب پر مبنی قرار پا گیا۔ جبکہ خیبر کے علاوہ دیگر مفتوحہ علاقوں پر عشر مقرر کیا گیا جو کہ ہم جانتے ہیں کہ ایک طرح کی زکوٰۃ ہی کا نام ہے۔

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے دور خلافت میں گو کہ فتوحات اسلامی کا سلسلہ جاری رہا اور عراق کا کچھ علاقہ مسلمانوں کے زیر نگیں ہوا تاہم اس ضمن میں باقاعدہ نظام کی تشکیل پر توجہ نہ دی جا سکی اور سرسری طور پر رقم کی کچھ مقدار مقرر کر دی گئی۔ شاید اس کی وجہ یہ رہی ہو گی کہ دور صدیقی بہت مختصر تھا جبکہ دور فاروقی نہ صرف یہ کہ ایک معتدبہ عرصہ پر محیط تھا بلکہ اس میں اسلامی سلطنت کی حدود بھی نہایت وسیع و عریض ہو چکی تھیں۔ لہٰذا فطری بات تھی کہ اس دور میں ایک باقاعدہ اقتصادی نظام کی صورت میں بیت المال کی آمدن اور خرچ کے ذرائع کا تعین ہوتا، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ۱۶ھ میں ایک طرف جب عراق پر قبضہ مکمل ہو گیا اور دوسری طرف یرموک کی فتح نے رومی سلطنت کو زمین بوس کر دیا تو اقتصادی نظام کو منظم کرنے کی طرف توجہ دی گئی۔ ذیل میں ہم اس کے چیدہ چیدہ خدوخال درج کر رہے ہیں۔

اسلام کے معاشی نظام کو بروئے کار لانے کے لئے خلافت علیٰ منہج النبوہ کے لئے سرکاری خزانہ کا وجود ضروری ہے۔ اس خزانہ کے محفوظ مقام کو (یعنی مال و دولت کے ذخائر کو، خواہ وہ ذخائر زر مبادلہ کے ہوں یا اصل مال یعنی سونا چاندی وغیرہ کے) بیت المال کہتے ہیں تاہم یہ بھی درست ہے کہ آج کی جدید زبان میں بیت المال کی اصطلاح کا اطلاق مزید وسعت اختیار کر چکا ہے اور اس سے پورا حکومتی مالیاتی نظام مراد لیا جاتا ہے جو شرعی اعتبار سے یقیناً درست ہے۔

مرکزی بیت المال کی صوبہ وار اور ضلع وار شاخیں ہوتی ہیں اور ان سے مقامی ضروریات کی کفالت مرکز کے احکام کے مطابق انجام پاتی ہے۔ "بیت المال" قلمرو خلافت کی ان تمام آمدنیوں کا امین ہوتا ہے جو اسلامی احکام کے مطابق خزانہ سرکاری میں داخل ہونی چاہیئیں اور اسی طرح وہ ان تمام مصارف کا بھی کفیل ہے جو حاجات و ضروریات اجتماعی و انفرادی کے پورا کرنے کے لئے ضروری قرار دیئے جائیں۔ اس انداز کے بیت المال یعنی آمدنی اور مصارف کے اصولوں کو اسلامی نظام حکومت کے لئے دور فاروقی میں ہی متعین کر دیا گیا تھا البتہ ان کی تفصیلات اور اصول کے تحت جزئیات کے انطباق کا حق خلیفہ اور خلافت علیٰ منہج النبوہ کی منتخب شوریٰ کے ہاتھ میں ہو گا۔

آمدن کی ان مدات کی فہرست اصولی طور پر اس طرح دی جا سکتی ہے۔ ۱۔:... عشر، ۲۔:... خراج، ۳۔:... جزیہ، ۴۔:... زکوٰۃ، ۵۔:... صدقات، ۶۔:... فئے، ۷۔:... خمس، ۸۔:... ضرائب (متفرق ٹیکس)، ۹۔:... کراء الارض (لگان)، ۱۰۔:... عشور، ۱۱۔:... وقف اور ۱۲۔:... اموال فاضلہ۔

مسلمانوں کی مملوکہ اراضی کے ایک بڑے حصے کی سالانہ مال گزاری عشر کہلاتی ہے اور ذمیوں کی سالانہ مالگزاری کا نام خراج ہے۔ اسی طرح سرکاری اراضی کی آمدنی کراء الارض (لگان) کے نام سے موسوم ہے اور مسلمانوں کے اموال نقود، اموال تجارت اور ریوڑ وغیرہ پر عائد دولت ٹیکس کا نام زکوٰۃ ہے۔ ذمیوں پر تحفظ کی ذمہ داری کے بدلے میں اسلامی حکومت کی طرف سے عائد ٹیکس کا نام جزیہ ہے۔ جنگ کے بغیر حاصل شدہ مال کا عنوان فئے ہے اور جنگ کے ذریعے سے حاصل ہونے والے مال غنیمت کا مقررہ حصہ خمس کہلاتا ہے۔ مستامن حربی یا ذمی (ایسا غیر مسلم جس کو امان دی گئی ہو) یا مسلمان کے اموال تجارت کی درآمد و برآمد کے محصول کو عشور کہتے ہیں اور رفاہ عامہ اور وقتی ضروریات کے لئے عائد کئے جانے والے ٹیکس کی اصطلاح "ضرائب" ہے۔ سرکاری معدنیات اور متفرق آمدنی کو اموال فاضلہ کہا جاتا ہے جبکہ مذہبی اوقاف کی آمدنی اموال وقف سے موسوم ہے۔

ان سب امور میں خراج کے ضمن میں کیا گیا دور فاروقی کا اجتہاد نہایت اہمیت کا حامل ہے کیونکہ یہ اس دور کے مالیاتی نظام میں شاید مشکل ترین مرحلہ تھا۔ یہاں سب سے پہلے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ خلافت علیٰ منہج النبوہ میں خراج کی صحیح تعریف کیا ہے۔

جن ممالک پر اسلامی ریاست بزور قوت فتح حاصل کرے اور خلیفہ وقت حضرت عمرؓ کے اس اجتہاد کی بنا پر کہ مفتوحہ زمینیں وہیں کے باشندوں کے قبضے میں رہنے دی جائیں اور ان کے مالکان حکومت کی ذمہ داری اور عہد میں آ کر ذمی کی حیثیت سے اسلامی ریاست کے شہری بن جائیں، تو ان کی زمینیں خراجی کہلاتی ہیں اور خلیفہ وقت ان زمینوں پر جو محصول یا

مالگزاری مقرر کرتا ہے' خراج کہلاتا ہے۔ (بحوالہ کتاب الخراج صفحہ ۶۹' شام جلد ۳ صفحہ ۳۵۲' کتاب الاموال صفحہ ۶۸)

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ خراج دراصل فئے کی ہی ایک قسم ہے کیونکہ اگر معمولی لڑائی کے بعد کفار مغلوب ہو کر صلح کرلیں تو وہ مال بھی فئے میں ہی شمار ہوتا ہے' یوں گویا جب غلبہ اسلام کے بعد خلیفہ وقت صلح کے ساتھ کفار (مغلوبین) کی زمینوں کو ان پر لگان مقرر کر کے ان ہی کے قبضہ میں رہنے دے تو یہ ٹیکس بھی فئے ہی شمار ہو گا اور اس صورت میں خراج کا وجود بھی قرآن مجید کی اس نص کے تحت آجائے گا۔

> جو مال لوٹا دیا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر بستیوں والوں سے (کفار سے)۔ سو وہ اللہ کے لئے اور رسول کے اور قرابت والوں کے لئے اور یتیموں' محتاجوں اور مسافروں کے لئے ہے تاکہ وہ تم میں سے دولت مندوں کے درمیان ہی دائر اور محصور نہ رہے۔ (سورۃ الحشر)

فقہ اسلامی میں یہ بھی تصریح ہے کہ صدقات واجبہ مثلاً زکوٰۃ' عشر وغیرہ کے علاوہ بیت المال کے محاصل کا تعلق جس طرح قلمرو اسلامی کے مسلمانوں کی ضروریات و حاجات سے وابستہ ہے اسی طرح غیر مسلم (ذمی) کی حاجات و ضروریات سے بھی متعلق ہے' چنانچہ فاروق اعظمؓ نے فقراء اور مساکین میں غیر مسلموں (ذمیوں) کو بھی شامل کیا ہے اور امام ابو یوسفؒ نے تو تصریح کی ہے کہ زکوٰۃ اور عشر کے علاوہ تمام صدقات واجبہ و نافلہ مثلاً نذر و فطر وغیرہ ذمی فقراء کو دیئے جا سکتے ہیں اور حربی مستامن کی مدد بھی صدقات نافلہ سے کی جا سکتی ہے (بحوالہ شامی باب المصرف جلد ۳ صفحہ ۹۲ اور کتاب الخراج صفحہ ۱۲۶)

دوسری طرف جب خلیفہ وقت پر لازم قرار دے دیا گیا ہے کہ اسلامی قلمرو میں کوئی فرد بھی محروم المعیشت نہ رہے تو ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ اس خلیفہ کو ان مالی معاملات میں صوابدیدی اختیارات حاصل ہونے چاہئیں جن کا تعین قرآن و سنت میں نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آئمہ مجتہدین کا اس پر مجموعی طور پر اتفاق ہے کہ جن مصارف کے متعلق قرآن و حدیث کی نص وارد ہو چکی ہے' وہ اسی طرح بحال رکھتے ہوئے باقی امور میں محاصل و مصارف کا معاملہ خلیفہ وقت اور اس کی مجلس شوریٰ کی صوابدید پر ہے چنانچہ قاضی ابو یوسف کتاب الخراج میں فئے اور خراج کے مسئلے پر بحث کرتے ہوئے حضرت عمرؓ کے اس فیصلہ پر جس کا تعلق عراق کی زمینوں کو وقف للمسلمین اور حکومت کی ملک کر دینے سے ہے' جو ارشاد فرمایا ہے وہ اس مسئلہ کو بخوبی واضح کر دیتا ہے۔

امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ کہ مفتوحہ اراضی کو مجاہدین میں تقسیم نہ کیا جائے' ایسی صورت میں جب کہ کتاب اللہ میں اس کے متعلق کچھ مذکور نہیں تھا' ایک بہترین فیصلہ ہے جس کی جانب خدا تعالیٰ نے ان کی رہنمائی کی اور انہوں نے جو یہ کچھ کیا' اس لئے ہے کہ اسی میں تمام مسلمانوں کی فلاح و بہبود تھی اور زمین کا خراج جمع کر کے تمام مسلمانوں کو اس سے فائدہ پہنچانا جماعتی اعتبار سے بہت ہی بہتر طریق ہے کیونکہ اگر یہ اراضی مجاہدین میں تقسیم ہو جاتیں اور عام مسلمانوں کے عطایا اور وظائف کے لئے وقف نہ ہو جاتیں تو پھر نہ اسلامی مملکت کی سرحدوں کی حفاظت ہو پاتی اور نہ جہاد کے لئے مضبوط لشکر فراہم ہو سکتا اور جب جہاد اور وظائف کا دروازہ بند ہو جاتا تو مسلمانوں کے ملک کافروں کی چڑھائی سے ہرگز مامون نہ رہتے اور اللہ ہر حیثیت سے زیادہ بہتر جاننے والا ہے۔ (بحوالہ کتاب الخراج صفحہ ۲۷)

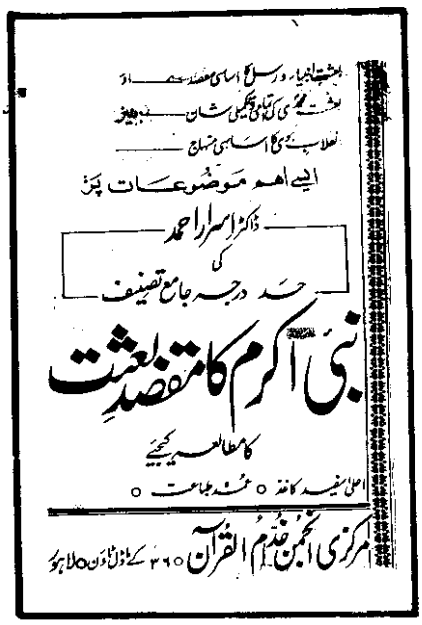

"حبل اللہ" اور "حبل من الناس" کی بحث

ماضی کا نظام کیا علماء نے مسلط کیا تھا؟

الطاف گوہر صاحب کی دانشورانہ تحریر کا ایک طالب علمانہ جواب

محبوب الحق۔ قرآن کالج لاہور

مورخہ ۲ ستمبر ۱۹۹۳ء کے نوائے وقت میں محترم الطاف گوہر صاحب کا مضمون بعنوان "لکھتے رہے جنوں کی حکایت" شائع ہوا۔ گوہر صاحب ایک نامور ادیب' ممتاز شاعر' صحافی اور شہرت یافتہ دانشور ہیں۔ دنیا کے مختلف سیاسی نظاموں اور معاشروں کی تہذیبی' سماجی اور اخلاقی اقدار کے متعلق وسیع مطالعہ رکھتے ہیں۔ انہوں نے مولانا مودودیؒ صاحب کی تفہیم القرآن کا انگریزی میں ترجمہ بھی کیا ہے۔ اس اعتبار سے ان کی علمی صلاحیتیں مسلمہ ہیں۔ تاہم وہ اپنے اس مضمون میں بعض باتیں ایسی کہہ گئے ہیں جو اسلامی نقطہ نظر سے مناسب معلوم نہیں ہوتیں۔ اگرچہ میری حیثیت ان کے مقابلے میں طفل مکتب کی سی ہے اور مجھے اپنی علمی بے بضاعتی کا بھی بھرپور اعتراف ہے مگر ان کے مضمون کی چند باتوں نے مجبور کر دیا ہے کہ اظہار حق کے لئے قلم اٹھاؤں۔

گوہر صاحب نے اپنے طویل مضمون میں "حبل من اللہ" اور "حبل من الناس" کی دو قرآنی اصطلاحوں کے حوالے سے جمہوری نظام کی اہمیت کی بات کی ہے۔ مگر حبل من الناس پر تو بڑا زور دیا ہے اور اسے شدومد کے ساتھ بیان کیا ہے جبکہ حبل من اللہ پر زور کم دکھائی دیتا ہے۔ حالانکہ حبل من اللہ کی حیثیت اساسی ہے اور حبل من الناس ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔ ویسے بھی یہ دونوں مختلف نہیں بلکہ ایک ہی سلسلے کی دو کڑیاں ہیں یا ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں جن میں حبل من اللہ یعنی اللہ کی منشاء غیر مشروط

ہے جب کہ "حبل من الناس" حبل من اللہ کے تابع ہے۔ یہی وہ فرق ہے جو خلافت یا دور حاضر کی اصطلاح اسلامی جمہوریت (Islamic democracy) اور سیکولر جمہوریت میں پایا جاتا ہے۔ سیکولر جمہوری پارلیمنٹ ہر وہ بل جو عوام الناس کی مرضی کے تابع ہو پاس کرتی ہے اگرچہ کہ اخلاقی لحاظ سے وہ کتنا ہی بودا کیوں نہ ہو۔ جبکہ اسلامی جمہوری پارلیمنٹ اس بات کی مجاز ہے کہ وہ احکامات الٰہیہ کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے قانون سازی تو کر سکتی ہے لیکن کتاب و سنت سے کوئی بالاتر قانون نہیں بنا سکتی!

دوسری بات یہ ہے کہ اسلام میں جمہوریت ہے لیکن جمہوریت میں اسلام نہیں۔ اسلام قطعاً اس بات کی تلقین نہیں کرتا کہ ایک خاص طرز حکومت اختیار کیا جائے بلکہ اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ زمانے کے تقاضوں کے مطابق ہم نظام حکومت کے سانچے میں تبدیلی لا سکتے ہیں' صدارتی نظام ہو یا پارلیمانی نظام حکومت بنیادی جمہوریت ہو یا وفاقی پارلیمانی جمہوریت ان میں سے کسی ایک کو ہم اختیار کر سکتے ہیں البتہ اس نظام حکومت میں سپریم لاء کی حیثیت "کتاب اللہ" کو حاصل ہو گی اور "**وامرھم شوری بینھم**" کے مصداق عوام اپنی مرضی کے نمائندے چننے کے مجاز ہوں گے۔ محترم الطاف گوہر صاحب فرماتے ہیں۔

"ہمارے اہل فکر بالخصوص علمائے کرام کو چاہئے کہ مستقبل پر نظر رکھیں اور ماضی کو دوبارہ اپنے آپ پر مسلط کرنے کی کوشش نہ کریں۔ اس کوشش میں مسلمانوں نے پانچ سو برس ضائع کر دئے ہیں' کتنے اسلامی ممالک میں جہاں خلافت کا نظام چل رہا ہے' کتنے ملک ہیں جہاں عام لوگوں کو حکومت کے کاموں میں کوئی دخل یا اختیار ہے' جو نظام چل رہے ہیں "اور جنہیں اسلامی نظام بھی کہا جاتا ہے" وہ سب کے سب آمرانہ اور موروثی ہیں۔ مشرق وسطیٰ کے اسلامی ملکوں میں قومی وسائل اور دولت بادشاہوں' انکے حلیفوں اور امیروں کی ذاتی جائیداد کی حیثیت رکھتی ہے۔ عدل کی جگہ فرد واحد کا قانون چلتا ہے۔"

مزید لکھتے ہیں

"ہمارے علمائے کرام کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اب کوئی نظام حکومت عوام کی مرضی کے بغیر نہیں قائم ہو سکتا نہ ان کی حمایت کے بغیر چل سکتا ہے اور عوام اپنے اس حق سے کسی طرح بھی دست بردار نہیں کہ وہ آزادانہ اپنے نمائندے چن سکیں اور ان کے نمائندے ان کی خواہشات اور توقعات کے مطابق جمہوری انداز سے چلا سکیں"

بلاشبہ گوہر صاحب کا یہ کہنا بجا ہے کہ آج کہیں بھی صحیح معنوں میں اسلامی نظام قائم نہیں اور مشرق وسطیٰ میں جو نظام چل رہے ہیں وہ سب آمرانہ اور موروثی ہیں لیکن جہاں تک ان کے اس مشورے کا تعلق ہے کہ علمائے کرام ماضی کو اپنے آپ پر مسلط نہ کریں تو عرض ہے کہ ماضی کو تو اپنے آپ پر دوبارہ مسلط نہیں کیا جا سکتا البتہ شاندار ماضی کی اعلیٰ روایات کو از سر نو روبہ عمل لایا جا سکتا ہے اور لایا جانا چاہئے' کیونکہ دنیا میں وہی اقوام ترقع اور عروج کی منزلوں کو پاتی ہیں جو اپنے تابناک ماضی پر فخر کرتی ہیں۔ اپنے حال کو ماضی کے مطابق سنوارتی ہیں اور دونوں کی روشنی میں مستقبل کے لئے لائحہ عمل مرتب کرتی ہیں۔ اس لئے ہمیں یقیناً ماضی ہی کے دریچوں میں جھانکنا ہو گا اور درخشندہ ماضی کے زریں اصولوں پر از سر نو قصر خلافت تعمیر کرنا ہو گا۔ اسی خلافت کے قیام کے لئے شاعر مشرق (شاعر اسلام) علامہ اقبال نے ملت اسلامیہ کو پکارا تھا۔

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

دوسرے' اقتباس اول سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ شائد فاضل مضمون نگار کے خیال میں ماضی کا خلافت راشدہ کا نظام بھی آمرانہ تھا (معاذ اللہ)۔ وہ علمائے کرام کو اس کے قیام کی جدوجہد سے باز رہنے کی تلقین کر رہے ہیں حالانکہ یہ اظہر من الشمس حقیقت ہے کہ خلافت راشدہ کا نظام مکمل طور پر ہر دونوں پہلوؤں "حبل من اللہ" اور حبل من الناس کے اعتبار سے مثالی اور عادلانہ تھا۔ کیونکہ اس میں اللہ کی حاکمیت بھی قائم تھی اور اسلام کے دائرہ کے اندر اندر عوامی رائے کا بھی بہت احترام کیا جاتا تھا بلکہ یہاں تک کہ عمر فاروقؓ فرماتے تھے "**لا خلافۃ الا عن مشورہ**" اسی کا عملی مظہر یہ ہے کہ چاروں خلفائے راشدین کا انتخاب جمہوری طریقے سے عمل میں آیا' خلیفہ اول صدیق اکبرؓ کا انتخاب ثقیفہ بنی ساعدہ میں باہمی مشورے اور آزادانہ بحث کے بعد کیا گیا' حضرت عمر فاروقؓ کو عوام و خواص کے مشورے کے بعد خلیفہ نامزد کیا گیا' حضرت عثمان ذوالنورینؓ کا انتخاب بھی انتخابی کمیٹی نے عوام کے مشورے سے کیا۔ اسی طرح حضرت علیؓ کو بھی مہاجرین و انصار کے زعماء و عوام الناس نے منتخب کیا۔ لہٰذا بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ خلافت راشدہ ایک جمہوری حکومت تھی جس میں مسلمان اپنی مرضی سے اپنے لیڈر کا انتخاب کرتے تھے۔ کچھ یہی معاملہ صوبائی گورنروں کے انتخاب کا تھا۔ جس حاکم کو عوام ناپسند کرتے کہ وہ قانون الٰہی کے مطابق نظم مملکت نہیں چلا رہا تو اسے برطرف کر دیا جاتا تھا۔

تیسرے یہ کہ آپ نے ماضی کے نظام کو مسلط کرنے کے لئے علماء کرام کی تخصیص کی ہے حالانکہ یہ صرف علماء کرام کا ہی نہیں بلکہ جمیع المسلمین کا مطالبہ اور جدوجہد ہے۔ پاکستان کے حوالے سے اس کا ثبوت عوام کی وہ اسلام پسندی ہے جس کا مظاہرہ انہوں نے مختلف اوقات میں کیا ہے۔ ۱۹۷۷ء میں جو تحریک محض نظام مصطفےٰ کے نام سے چلی تو بھی محمد ﷺ کے نام لیواؤں اور خلافت کے پروانوں نے نظام اسلامی (نظام خلافت) کے لئے جانیں قربان کیں۔ اسی طرح جنرل ضیاء الحق نے ریفرنڈم کرایا تو اسلام کے نام پر ووٹ حاصل کئے۔ میاں نواز شریف اگر کرسی اقتدار تک پہنچے تو اسلام کے نفاذ کے نعروں کی بدولت!

چوتھی بات یہ کہ آپ نے مندرجہ بالا اقتباس ثانی میں فرمایا کہ اب کوئی نظام حکومت عوام کی مرضی کے بغیر نہیں قائم ہو سکتا نہ ہی چل سکتا ہے۔ گوہر صاحب کا یہ کہنا تشنہ وضاحت ہے۔ البتہ اس کے دو ہی ممکنہ مطالب نکل سکتے ہیں:

پہلے یہ کہ اگر عوام کی مرضی سے ان کی مراد یہ ہے کہ عوام الناس حبل من اللہ یعنی منشاء الٰہی کے تابع رہتے ہوئے کسی نظام کو ناپسند کریں تو وہ ناقابل قبول ہو گا' یہ تصور صحیح ہے اور حضرت عمر فاروقؓ کا قول "**لا خلافۃ الا عن مشورہ**" اس کی بھی پور تائید کرتا ہے اور اس کو تو علمائے کرام بھی یقیناً تسلیم کرتے ہیں اس لئے اس صورت میں ان سے تسلیم کرانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ اگر جمہوری رائے سے ان کی مراد یہ ہے کہ عوام حبل من اللہ سے فروتر ہو کر جو نظام لانا چاہیں جو قانون بنانا چاہیں وہی قابل قبول ہو گا تو ان کا یہ تصور سیکولر جمہوریت کے اعتبار سے صحیح ہو سکتا ہے مگر اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔

اگر درجہ بالا تصریحات درست ہیں تو پھر میرے خیال میں گوہر صاحب کو علمائے کرام کو ماضی کی تسلیط سے باز رکھنے کی بجائے اپنے افکار و نظریات کا از سر نو جائزہ لینا چاہئے۔

انتہائی دھیمے اور موثر انداز میں کہا کہ ہم جس انتخابی سیاست کو اختیار کئے ہوئے ہیں اس میں قابلیت' نیک نامی اور عقلمندی کی کوئی وقعت نہیں بلکہ اصل شے صرف اور صرف پیسہ ہے اور اس سیاست میں ملک کے لوٹے ہوئے پیسے سے جو لوگ سیاست کر رہے ہیں وہی کامیاب ہیں اور یہی لوگ ہمیں اسلام کے دلفریب و حسین نعرے پر بیوقوف بناتے ہیں اور اپنا مطلب نکالتے ہیں جبکہ وہ مطلب دراصل ملکی خزانہ کو لوٹنے اور سرکاری زمینوں کو باپ دادا کی جاگیر سمجھ کر تقسیم کرنے علاوہ کچھ نہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ ہم اس غلط نظام کا خاتمہ انتخابی عمل سے ناممکن سمجھتے ہیں۔ اس کے لئے ہمیں انقلابی راستے کو اختیار کرنا ہو گا اور وہ نظام قائم کرنا ہو گا جو حقیقت میں عادلانہ اور منصفانہ نظام ہے جس میں بنیادی ضرورتیں بن مانگے پوری ہونگی۔ انہوں نے کہا کہ یہ گلا سڑا نظام لوگوں کے مسائل کیا حال کرے گا۔ اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ نظام خلافت کو قائم کرنے کے لئے تیار ہو جائیں اور تحریک خلافت پاکستان کی انقلابی جدوجہد میں اس کا ساتھ دیں۔

جلسہ کے آخر میں سیکرٹری تحریک خلافت پاکستان جناب عبدالرزاق صاحب نے دعا کروائی۔ جلسہ میں لوگوں کی خاصی تعداد نے شرکت کی اور کافی دلجمعی سے پورے جلسہ کو سنا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ منتظمین کو ان کی محنت کا ثمر عطا فرمائے اور شرکاء جلسہ کو اس عظیم مشن میں اعوان و انصار بننے کی توفیق دے' آمین۔ ○○

گجرات شہر

۵ ستمبر کو بعد از نماز عشاء دفتر میونسپل کمیٹی گجرات کے سبزہ زار میں جلسہ خلافت کا انعقاد کیا گیا۔ جلسہ کی تشہیر کے لئے گجرات شہر کے رفقاء اور معاونین نے کافی محنت کی۔ ۳ ہزار کی تعداد میں ہینڈ بل تقسیم کئے گئے۔ پانچ عدد بینرز شہر کے معروف چوکوں میں آویزاں کئے گئے اور جلسہ کے دن سارے شہر میں گاڑی پر لاؤڈ سپیکر نصب کر کے اعلانات کئے گئے۔ جلسہ گاہ مکمل طور پر نماز مغرب سے قبل تیار ہو چکی تھی۔ سارا دن موسم ابر آلود رہنے کی وجہ سے موسم بہت خوشگوار تھا۔ رات ۹ بجے جلسہ کی کاروائی کا آغاز ہوا تلاوت کلام اور ترجمہ کی سعادت سٹیج سیکرٹری عبدالرؤف صاحب امیر گجرات کے حصے میں آئی۔ تلاوت کلام پاک کے بعد نائب ناظم حلقہ گوجرانوالہ ڈویژن مرزا ندیم بیگ صاحب کو خطاب کی دعوت دی گئی جنہوں نے اپنے انتہائی پر جوش خطاب میں کہا کہ موجودہ انتخابی سیاست لوٹوں اور نوٹوں کی سیاست ہے لہٰذا ہمیں اس سیاست کا خاتمہ کر کے گلے سڑے نظام کے متعلق موجود ہیں۔ اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اس کے غلبہ کے لئے تن من دھن سے تیار ہو جائیں۔ انہوں نے امت مسلمہ کی بے بسی کی وجوہات بیان کرتے ہوئے کہا کہ دنیا میں مسلمان ایک ارب تیس کروڑ ہونے کے باوجود ذلیل و خوار ہیں۔ اس کی اصل وجہ پیغام حق کو پیٹھ دکھانا اور ہوس دنیا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ پوری دنیا اس وقت یہود کے شکنجے میں ہے۔ اور پوری دنیا کے مسلمانوں کے اگر یہی لچھن رہے تو عذاب ان کا مقدر ہے۔ انہوں نے کہا ہمیں قوم یونس کی مانند عذاب کے آثار دیکھ کر اللہ کے حضور اجتماعی توبہ کرنی چاہئے۔ اور اجتماعی توبہ کے نتیجے میں ہی ہم عذاب الٰہی سے بچ سکیں گے۔ ہم نے تو یہ ملک بھی اللہ سے دین کے نفاذ کے وعدے پر لیا تھا لیکن نصف صدی ہونے کو آئی ہے غلبہ دین کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ ہمیں اس ملک میں ووٹوں کی بھیک کی بجائے ایک ایسی جمیعت منظم کرنی چاہئے جو موجودہ فاسد اور استحصالی نظام کو تبدیل کر کے نظام عدل و قسط کو قائم کر سکے۔ ساڑھے دس بجے رات خطاب کا اختتام ہوا۔ خطاب کے آخر میں ڈاکٹر صاحب نے دعا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ تمام رفقاء کی کوششوں کو قبولیت بخشے اور ساتھ دینے والوں کو ہمت و استقامت عطا فرمائے۔ (آمین)

مرتب: رفیق راشدی

گجرات میں جلسہ خلافت سے ڈاکٹر عارف رشید (دائیں) اور مرزا ندیم بیگ مخاطب ہیں۔

○

عطا اسلاف کا جذب دروں کر
شریک زمرۂ لا یحزنوں کر
خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں
مرے مولا مجھے صاحب جنوں کر

○

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36-K, Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

مسجد نبوی کی تعمیر میں ترکوں کا ذوق و شوق

ایک کہانی جسے بار بار دہرانے کو جی چاہتا ہے

اخذ و ترجمہ: سردار اعوان

مسجد نبوی میں حالیہ توسیع کا ذکر آیا تو ذہن بے ساختہ ماضی کی طرف لوٹ گیا۔ اس سے قبل آخری بار مسجد نبویؐ کی توسیع کا کام سلطنت عثمانیہ کے عہد میں سرانجام دیا گیا تھا۔ اس دور کے واقعات کو اسلام کے ساتھ ترکوں کی محبت کا عظیم مظہر اور تاریخ کا ایک سنہری باب قرار دیا جاسکتا ہے۔

ترکوں کو اسلام اور نبی اکرمؐ کے ساتھ انتہائی گہری عقیدت اور محبت تھی۔ جب پہلی مرتبہ مسجد نبوی کی توسیع کا خیال آیا تو انہیں یقین نہیں تھا کہ عام انسان ایسا مبارک کارنامہ انجام دے سکتے ہیں۔ مسجد نبوی' جو خانہ کعبہ کے بعد مسلمانوں کے لئے مقدس ترین مقام ہے' ان لوگوں کے ہاتھوں سے تعمیر ہوئی تھی جو تقویٰ اور پرہیزگاری کے لحاظ سے انسانوں میں سب سے اونچے درجے پر فائز تھے اور خیال کیا جاتا ہے کہ اس کی تعمیر میں آسمانی مخلوق نے حصہ لیا تھا۔ چنانچہ جب یہ فیصلہ ہوا تو بڑی باریک بینی اور احتیاط کے ساتھ تمام تفصیلات کا جائزہ لیا گیا۔ تعمیر کے لئے جو پیسہ یا وقت درکار تھا' اس کی کوئی اہمیت نہیں تھی اصل توجہ کا مرکز تعمیر میں حصہ لینے والے ماہرین اور کاریگر تھے یا وہ عمارتی سامان تھا جسے یہاں استعمال ہونا تھا کہ وہ حد درجہ پاکیزہ اور صاف ستھرا ہو۔

جب اس بارے میں پوری طرح غور و خوض ہو چکا تو پہلا کام یہ کیا گیا کہ پوری سلطنت عثمانیہ اور چین' ہندوستان' افغانستان و وسطی ایشیا اور شمالی اور وسطی افریقہ کے ممالک میں جہاں کثیر تعداد میں مسلمان آباد تھے' اس ارادے کا اعلان کروایا گیا اور ان ممالک سے درخواست کی گئی کہ وہ اپنے ہاں دستیاب فنی مہارت اور عمارتی سامان کے بارے میں معلومات فراہم کریں۔ جو فنی ماہرین مطلوب تھے ان میں مسلمان ڈیزائنر' انجینئر' نقشہ نویس' سنگ تراش' خطاط' کاشی گر' رنگ ساز اور دیگر کاریگر شامل تھے۔

خوب سے خوب تر کی جستجو کا یہ سلسلہ مکمل ہوا اور مطلوبہ اشخاص کا انتخاب عمل میں آچکا تو ان سب لوگوں کا استنبول کے لئے سفر کا آغاز ہوا۔ ہر ممکن طریقے سے ان کے سفر کو آرام دہ بنانے کا بندوبست کیا گیا۔ جو لوگ اپنے اہل خانہ کے ہمراہ آنا چاہتے تھے ان کے لئے الگ انتظام کیا گیا۔ مختلف ممالک سے قافلوں میں یہ لوگ استنبول پہنچے تو شہر سے باہر پہلے سے ان کے لئے تیار کی گئی بستی میں رہائش مہیا کر دی جاتی جہاں حکومت کی طرف سے تمام لوازمات کا بندوبست کیا گیا تھا۔ یہ مرحلہ پندرہ برس میں طے ہوا۔

اس سے اگلا مرحلہ تعلیم و تربیت کا تھا۔ جو ماہرین تعمیرات وہاں پہنچے تھے' انہیں اپنے بیٹوں یا شاگردوں میں سے کسی ایسے ایک شاگرد کو منتخب کرنے کو کہا گیا جسے وہ اس کام کے لئے سب سے زیادہ اہل سمجھتے ہوں اور اپنا فن اسے منتقل کر سکتے ہوں۔ اس طرح یہ بستی گویا ایک اقامتی تربیت گاہ کی شکل اختیار کر گئی جہاں طلبہ کو فنی تعلیم کے ساتھ ساتھ قرآن مجید حفظ کرا دیا جاتا تاکہ ان میں سے ہر ایک حافظ قرآن ہو' نیز جسمانی طور پر چاک و چوبند رہنے کے لئے خصوصی طور پر انہیں شہسواری کی تربیت دی جاتی۔ اس مرحلے کو مکمل ہونے میں مزید پچیس برس لگ گئے اور یوں تیس' چالیس سال کی درمیانی عمر کے پانچ سو کی تعداد میں ماہرین اور کاریگروں کی ایک ایسی جماعت تیار ہو گئی جو ممکنہ حد تک بہترین دینی و دنیاوی تعلیم سے بہرہ ور تھی اور جسے مسجد نبوی کی توسیع کا مقدس فریضہ سونپا جاسکتا تھا۔

ایک جانب بڑی جانفشانی سے تعلیم و تربیت کے اس پروگرام پر عمل ہو رہا تھا تو دوسری جانب ترک حکمران دنیا بھر سے بہترین قسم کا عمارتی سامان اور تعمیر کے آلات جمع کرنے میں مصروف تھے۔ معدنیات کے ماہرین کے ذمہ یہ کام تھا کہ وہ ایسی جگہ تلاش کریں جہاں عمدہ قسم کا پتھر دستیاب ہو۔ مگر اس سے پہلے وہ پتھر دوسری کسی عمارت میں کبھی استعمال نہ ہوا ہو اور نہ ہی بعد میں کبھی استعمال ہو سکے۔ چنانچہ تعمیر کے لئے جتنا پتھر درکار تھا' اسے نکالنے کے بعد ان جگہوں کو اس طرح بند کر دیا گیا کہ خیال کیا جاتا ہے کہ آج تک وہاں کسی کی رسائی نہیں ہو سکی ہے۔ اسی طرح عمارتی لکڑی حاصل کرنے کے لئے ایسے جنگلات تلاش کئے گئے جن میں ابھی انسان کا گزر نہیں ہوا تھا۔ وہاں سے لکڑی کاٹ کر بیس سال تک حجاز کے موسمی حالات کے مطابق پختہ کی گئی۔ وہیں سے درختوں کی چھال اور مختلف نوع کی جھاڑیوں سے روغن تیار ہوا۔ شیشہ حجاز کی صاف شفاف ریت سے تیار کیا گیا۔ خطاطی کے لئے آلات ایران' دریائے گنگا اور نیل کی وادیوں سے حاصل کئے گئے۔

کام کرنے کی جگہ مدینے سے کوئی بارہ میل دور مقرر کی گئی۔ حالانکہ اس دور میں بار برداری کا جدید نظام موجود نہیں تھا لیکن ترکوں کو اندازہ تھا کہ کام کے دوران میں بہت سا شور و غل اور گرد و غبار پیدا ہو گا اور وہ شہر مدینہ کو ہر حال میں پاک صاف رکھنا چاہتے تھے۔ یہ وہ شہر تھا جہاں نبی اکرم ﷺ اور ان کے صحابہؓ کی زندگی کا بیشتر حصہ صرف ہوا تھا لہٰذا وہ نہیں چاہتے تھے کہ اس شہر کی فضا گرد آلود ہو۔ چنانچہ تعمیر کا جملہ سامان شہر سے باہر تیار ہوتا اور نہایت سلیقے اور احترام سے لا کر عمارت میں لگا دیا جاتا۔ اگر کسی پتھر یا لکڑی کے ٹکڑے میں درستگی بھی کرنا پڑتی تو اسے واپس وہیں لے جا کر درست کیا جاتا اور دوبارہ لا کر لگایا جاتا۔ اوپر سے نیچے تک جو لوگ بھی اس کام پر مامور تھے' انہیں ہدایات تھیں کہ کام کے دوران میں باوضو ہو کر متواتر قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہیں۔

یوں ایک روز سعادت کی وہ گھڑی آپہنچی جب فجر کی نماز کی اذان کے ساتھ ہی اس عظیم منصوبہ کی تکمیل کا اعلان ہوا۔ آخری مرحلہ پندرہ برس میں مکمل ہوا تھا۔ OO